ندائے خلافت

۱۱ جولائی ۱۹۹۵ء

اشاعت خصوصی
برسانحہ ارتحال مدیر ندائے خلافت

بانی و مدیر ندائے خلافت
جناب اقتدار احمد
جو ۱۶/جون ۹۵ء کی صبح
ہمیں داغ مفارقت دے گئے
انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کی نماز جنازہ۔ شدید گرمی کے باوجود ہزاروں افراد شریک ہوئے

"اقتدار حقیقی معنوں میں میرے دست و بازو تھے" ڈاکٹر اسرار احمد

اس شمارے کی قیمت
۱۲ روپے

سیمینار : ملکی سالمیت اور مسئلہ کراچی

کراچی کا حل صرف مذاکرات ہیں'

مہاجروں کو الگ صوبہ نہ دیا گیا تو ملک کسی حادثے کا شکار ہو سکتا ہے!

عوام دل سے ایم کیو ایم کے ساتھ نہیں' حالات کا جبر انہیں اس طرف دھکیل رہا ہے

تحریک خلافت کے زیر اہتمام کراچی کے مسئلے پر سیمینار میں مختلف اصحاب فکر کا اظہار خیال ! ترتیب و تلخیص : نثار ملک

وطن عزیز اپنی پیدائش کے روز اول سے ہی بے شمار مسائل سے دوچار رہا ہے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ مسائل گھمبیر شکل اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اس وقت دیگر مسائل سے جس مسئلے نے ہمارے ہم وطنوں کی توجہ ہٹا کر اپنی طرف مبذول کرا لی ہے وہ کراچی کا مسئلہ ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت ہر محب وطن شہری کے ذہن میں پاکستان کے مستقبل کے حوالے سے ایک سوالیہ نشان موجود ہے۔ ہم وطنوں کی یہ پریشانی اپنی جگہ لیکن محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ بھی پارٹی بازی اور کشمکش اقتدار کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔

"تحریک خلافت پاکستان" نے اس مسئلے کی سنگینی اور اہمیت کے پیش نظر اہل علم و دانش کو اظہار خیال کے لئے اس مسئلے پر ایک سیمینار کا اہتمام کیا۔ یہ سیمینار مورخہ ۲۹ جون کو انجمن خدام القرآن کے قرآن آڈیٹوریم واقع گارڈن ٹاؤن لاہور میں ہوا۔ داعی تحریک خلافت نے میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔ مقررین حضرات میں چیف جسٹس (ریٹائرڈ) جناب ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ' جناب ایس ایم ظفر' مولانا سید وصی مظہر ندوی' جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل اور جناب زیڈ اے سلہری شامل تھے۔ یہاں اس بات کا بھی ذکر بے محل نہ ہو گا کہ "تحریک خلافت" نے اس سیمینار میں تشریف لانے والے حضرات کے علاوہ بھی متعدد حضرات کو شرکت کی دعوت دی تھی جن میں سے بعض نے پیشگی معذرت کر لی اور بعض اپنی سیاسی مجبوریوں کے باعث نہ آ سکے۔ تاہم جو حضرات بھی اس سیمینار میں شریک ہوئے انہیں کھل کر اظہار خیال کا موقع فراہم کیا گیا۔

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان نے تمہیدی گفتگو فرماتے ہوئے کہا کہ میں بنیادی طور پر قرآن کا طالب علم ہوں لہٰذا میرے سامنے جو بھی مسئلہ آتا ہے میں اس کے لئے رہنمائی قرآن سے حاصل کرتا ہوں اور قرآن نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے موجودہ کراچی کی صحیح صحیح تصویر کشی سورۂ ابراہیم کے حوالے سے پیش کی۔ انہوں نے کہا کہ کراچی کا مسئلہ ہے کیا؟ اس حوالے سے ہمیں پہلے اصل مرض اور اس کے اصل علاج پر غور کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم فوری علاج کی طرف

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تین ماہ سے زائد کے فصل اور وقفے کے بعد "ندائے خلافت" کا ریگولر شمارہ قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ تاہم اسے معمول کی اشاعت قرار دینا صحیح نہ ہو گا' یہ ایک خصوصی اشاعت ہے جس کا مرکزی خیال اس قابل احترام شخصیت کو خراج تحسین پیش کرنا اور اس کی خدمات کا اعتراف کرنا ہے جس نے اپنے خون جگر سے پہلے "ندا" اور پھر "ندائے خلافت" کی آبیاری کی۔ جس نے اپنی انتھک محنت سے صحافت کو مقصدیت سے ہمکنار کیا اور اسے ایک نئے انداز میں دعوت رجوع الی القرآن کی اشاعت اور اسلام کے انقلابی فکر کے فروغ کا ذریعہ بنایا' جو اس پرچے کی روح رواں تھا' جو بیمار ہوا تو "ندائے خلافت" کے لئے وقت کی رفتار تھم گئی' اصل پرچے کی جگہ دو اوراق پر مشتمل خبرنامہ ندائے خلافت کی اشاعت پر اکتفا کرنا پڑی' جس نے غلبہ و اقامت دین کے اس قافلے کے سالار' اور اپنے امیر اور بھائی پر طنز و استہزاء کے تیر برسانے والوں کے خلاف اپنے قلم کو نہایت موثر انداز میں استعمال کیا اور راہ حق میں اپنے قائد و امیر کی مدافعت میں خود مجسم ڈھال بن گیا۔ اس محترم شخصیت نے چار ماہ کی شدید علالت کے بعد ۶ جون کی صبح ۳ بجے متبسم چہرے کے ساتھ موت کا استقبال کیا اور بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی جان فرشتہ اجل کے حوالے کر دی۔ نشان مرد مومن باتو گویم۔ چوں مرگ آید تبسم برلب اوست!۔ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

خبرنامہ ندائے خلافت کی گزشتہ اشاعت میں اس امر کا اعلان کر دیا گیا تھا کہ جولائی کے پہلے ہفتے میں مدیر جناب اقتدار احمد کے سانحہ ارتحال کے حوالے سے ندائے خلافت کا ایک خصوصی نمبر شائع کیا جائے گا جس میں مرحوم کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی اور دیگر اکابر تنظیم کے تاثرات کے ساتھ ساتھ بعض معروف اہل علم و دانش اور ارباب صحافت و سیاست کے احساسات و تاثرات اور تعزیتی خطوط کو بھی جگہ دی جائے گی۔ حسب وعدہ زیر نظر شمارے میں ان تمام چیزوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مرحوم اقتدار احمد صاحب ہی کا ہم پر یہ حق نہیں تھا' اپنے تاثرات اور تعزیتی پیغامات ارسال کرنے والوں کا بھی ہم پر حق بنتا ہے کہ ان کے خیالات کو ہم "ندائے خلافت" کے صفحات میں جگہ دیں۔ تاہم اس دوران موصول ہونے والے تمام تعزیتی خطوط کو پرچے میں شامل کرنا تو ممکن نہ تھا کہ اس صورت میں پرچے کی ضخامت' جو پہلے ہی معمول سے دوچند ہو چکی ہے' ہمارے قابو سے بالکل ہی باہر ہو جاتی۔ تعزیتی خطوط میں سے ہم نے چھانٹ کر ان خطوط کا انتخاب کیا ہے جن میں لکھنے والے نے معمول کے تعزیتی جملے تحریر کرنے کے علاوہ مرحوم کے بارے میں اپنے ذاتی تاثرات و احساسات بھی کسی قدر بیان کئے ہیں' تاہم دیگر خطوط ارسال کرنے والوں کے بھی اسمائے گرامی ہم نے متعلقہ صفحات میں درج کر دیئے ہیں۔ امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ان فوری تاثرات کے علاوہ کہ جو ان کے بھائی اور دست راست جناب اقتدار احمد کے انتقال کے تیسرے روز ایک انٹرویو کی صورت میں ریکارڈ کئے گئے تھے' ان کی اپنے ذاتی اور خاندانی کوائف پر مشتمل ایک مفصل تحریر سے بھی ان اقتباسات کو جمع کر کے ایک مضمون کی صورت میں شائع کیا گیا ہے کہ جن میں مرحوم کا تذکرہ نمایاں انداز میں موجود ہے۔ اس طرح ان دونوں قابل احترام شخصیات کے باہمی تعلق اور مرحوم کے انفاق و ایثار کی کسی قدر تفصیلات مربوط انداز میں قارئین کے سامنے آ سکیں گی۔ مرحوم کے بارے میں ان کے دیرینہ دوست اور قریبی ساتھی شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کا ارسال کردہ مضمون بھی خاصا معلومات افزا اور جذبات پرور ہے۔

مزید برآں مرحوم کی بعض یادگار تحریروں کو بھی شامل اشاعت کیا گیا ہے کہ جو تنظیم اسلامی اور غلبہ و اقامت دین کی اس پوری تحریک کے لئے ایک قیمتی اثاثے کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح مرحوم کی زندگی کے آخری ایام میں شائع ہونے والی ان کی پہلی اور آخری کتاب "زبان یار من ترکی..." کا مختصر تعارف بھی قارئین کی دلچسپی کے خیال سے شامل شمارہ کر دیا گیا ہے۔ بعض اصحاب علم و فضل اور اہل قلم حضرات نے مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات ہمیں مضمون کی صورت میں ارسال کئے ہیں۔ انہوں نے مرحوم کو جس انداز میں خراج تحسین پیش کیا ہے وہ یقیناً قارئین کی دلچسپی کا موجب ہو گا۔ ان میں سے بعض حضرات کے مضامین مختلف اخبارات میں شائع ہو

(باقی صفحہ ۵ پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

بانی مدیر : اقتدار احمد مرحوم

جلد ۴ شمارہ ۲۸

۱۱ / جولائی ۱۹۹۵ء

7

مدیر : حافظ عاکف سعید

معاون مدیر : نثار احمد ملک

یکے از مطبوعات

تحریک خلافت پاکستان

۴۔اے' مزنگ روڈ' لاہور

مقام اشاعت

۳۶۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

فون : ۵۸۶۹۵۰۱

پبلشر : محمد سعید احمد طابع : رشید احمد چودھری

مطبع : مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

قیمت فی پرچہ : -/۶ روپے

سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۲۵ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت	۱۲۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش	۱۰۰ "
افریقہ، ایشیا، یورپ	۱۱۶ "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا	۱۲۰ "

الھدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرہ

(آیت ۱۷۷)

نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق یا مغرب کی جانب پھیر دو'

(عبادات کے ظواہر کو کل نیکی یا کل دین خیال کرنا حقیقت شناسی نہیں)

بلکہ اصلی نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' اور یوم آخر پر' اور فرشتوں پر' اور سب کتابوں پر اور انبیاء پر'

(نیک عمل صرف وہی ہے جس کی بنیاد ایمانیات پر اٹھائی گئی ہو۔ ایمان کے بغیر' جس کے تمام اجزاء کی گنتی بھی کرا دی گئی ہے' کوئی بھی عمل خواہ بظاہر وہ کتنا ہی بڑا نیکی کا کام نظر آئے' اللہ کے ہاں اس کا شمار نیک اعمال میں نہ ہو گا')

اور دیا اس نے مال' اس کی محبت کے باوصف' رشتہ داروں کو' اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور دست سوال دراز کرنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں'

(مال و دولت تو سب کی طرح نیک لوگوں کو بھی عزیز ہوتا ہے لیکن وہ اس کے باوجود اسے ضرورت مندوں کی مدد میں خرچ کرتے ہیں ..... گردن چھڑانا اگلے وقتوں میں غلام کو آزادی دلا دینا تھا اور اب اس سے مراد کسی ضرورت مند یا مقروض کی اس درجہ حاجت روائی ہے کہ وہ اپنی مشکل سے پوری طرح آزاد ہو جائے')

ترجمانی : حافظ عاکف سعید

اور قائم رکھی نماز اور ادا کی زکوٰۃ'

(اگرچہ نیکی کی بحث میں ابناء نوع کی ہمدردی میں مال خرچ کر سکنے کو دیگر تمام اعمال پر اولیت حاصل ہے' لیکن نماز اور زکوٰۃ کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے اور ان کے بغیر نیکی کا تصور یا پیکر نامکمل رہتا ہے')

اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے' جب باہم معاہدہ کریں'

(کہ عہد کو پورا کرنا فطرت انسانی کی ایک اعلیٰ قدر اور بلند کرداری کی علامت ہے' نیکی کا خاکہ اس وصف کے بغیر کیونکر مکمل ہو سکتا ہے')

اور خصوصاً صبر کرنے والے سختی میں' اور تکلیف میں اور حالت جنگ میں'

(کہ کلمہ حق کہنے کی پاداش میں خواہ فاقے کی سختی آئے' جسمانی اذیت پہنچائی جائے یا جنگ کی نوبت آ جائے' ان کی جانب سے صبر و استقامت ہی کا مظاہرہ ہو گا')

یہ ہیں وہ لوگ جو سچے ہیں اور یہی ہیں پرہیزگار O

(کہ ان اوصاف کے بغیر بھی کوئی شخص بزعم خویش نیک اور متقی ہے تو یہ محض اس کی خام خیالی اور نادانی ہے' قرآن کی اصطلاح میں تو نیک صرف وہی ہیں جو مذکورہ بالا صفات سے متصف ہیں۔)

جوامع الکلم

"جو دل کی نرمی سے محروم کر دیا گیا وہ کل خیر سے محروم ہو گیا" (ابوداؤدؓ، مسلمؒ)

(کہ رقت قلبی اور ابناء نوع کی ہمدردی کے جذبات ہی تو انسانیت کا سب سے قیمتی سرمایہ ہیں۔ کٹھور دل اور شقی القلب انسان گویا خیر کے دروازے خود اپنے لئے بند کر لیتا ہے۔)

سورۃ البقرہ (آیت ۱۷۷)

اخبارات کی جبری بندش

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

حکومت نے کراچی کے شام کے چھ اخبارات کی جبری بندش کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جہاں صحافی برادری نے حکومت کے اس اقدام کی شدید مذمت کی ہے اور آنے والے بدھ کو اخبارات کی ملک گیر ہڑتال یعنی کوئی اخبار شائع نہ کرنے اور احتجاجی مظاہروں کا فیصلہ کیا ہے وہاں خواص و عوام نے بھی حکومت کے اقدام کو مجموعی طور پر غیر مناسب قرار دیا ہے۔ آزاد معاشرے کی پہچان ہی اظہار رائے کی آزادی ہے۔ جب بھی اس پر کسی لحاظ اور کسی طرز سے کوئی پابندی جبراً لاگو کی گئی تو اس معاشرے کا اخلاقی و سیاسی عمل اسی طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا جس طرح ایک عالیشان عمارت کے دروازے کھڑکیاں اور روشندان بند کر دینے سے اس میں بوسیدگی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ کوئی اخبار صبح کے وقت شائع ہوتا ہو یا شام کو' من گھڑت خبر دیدہ دانستہ کبھی شائع نہیں کرتا' اس لئے کہ اس کی مقبولیت کا دار و مدار ہی سچی رپورٹنگ پر ہے۔ البتہ ہر اخبار کا انداز بیان مختلف ہوتا ہے۔ کوئی تصویر کا ایک رخ دکھاتا ہے تو کوئی دوسرا۔ عام حالات میں کسی اخبار کا رسوائی نما یا ہنگامہ خیز (scandulous) انداز اتنا نقصان دہ نہیں ہو سکتا جتنا کراچی جیسے حالات میں ہونا یقینی ہے۔ کراچی کے موجودہ حالات ہر جانب سے اور ہر لحاظ سے انتہاپسندی کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ایسے میں تھوڑی سی کوتاہی بھی جلتی پر تیل کا کام کرتی ہے اور یہی شکایت حکومت کو کراچی میں شام کے چھ اردو اخبارات سے تھی۔ بعض غیر جانبدار باشعور شخصیات نے بھی اس شکایت کی تائید کی ہے۔ کراچی کے مخصوص حالات میں حکومت کا یہ اقدام اس مجبوری کے پیش نظر کہ بھڑکتی ہوئی آگ کو بہرحال مزید بھڑکانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی' اگر درست بھی قرار دیا جائے تو یہ سوال ضرور ابھرتا ہے کہ حکومت اتنی کوتاہ اندیش کیوں ہے کہ پانی سر سے گزر جانے کے بعد انتہا پسند اقدامات کی ضرورت پڑے۔ کراچی کے حالات ایک دن میں نہیں بگڑے۔ اس کوتاہی کا آخر کیا جواز ہے کہ ایسے اخبارات جو خبروں کے سلسلے میں غیر مناسب انداز بیان کے عادی ہوں ان سے صحافی تنظیموں کے ذریعے ضابطہ اخلاق نہ صرف طے کر لیا جاتا بلکہ اس کی پابندی پر اصرار کیا جاتا اور اگر پھر بھی کوئی اخبار باز نہ آتا تو عدالت سے رجوع کیا جاتا۔ تسلیم کہ زندگی سے متعلق ہر پیشے نے خدمت کے مقابلہ میں پیسہ کمانے کو ترجیح دی ہے' اخبارات بھی اس کا شکار ہیں' اسے مجبوری کہئے یا کچھ اور' لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دینی اقدار اور وضعداری میں نمایاں بلکہ منفرد مقام رکھنے والے اداروں کو بھی فلمی اداکاراؤں کی تصاویر اپنے روزناموں میں شائع کرنا پڑیں۔ یہ شکوہ پبلک اداروں ہی سے کیوں؟ حکومت خود اس دو عملی کے ارتکاب سے مبرا نہیں۔ ہر روز بلکہ دن میں متعدد بار ٹیلیویژن پر سگریٹ بنانے والی کمپنیوں کی جانب سے تمباکو نوشی کی ترغیب میں دلفریب نسوانی تصاویر و انداز دکھائے جاتے ہیں جس کے آخر میں مضحکہ خیز انداز میں نصیحت آموز فقرہ دہرایا جاتا ہے کہ "تمباکو نوشی مضر صحت ہے"۔

ہو سکتا ہے اس تحریر کے شائع ہونے تک حکومت اور اخبارات کے مابین معاملہ طے پا چکا ہو اور اخبارات کی بندش کے احکامات واپس لے لئے گئے ہوں۔ بہرصورت فریقین کو چاہئے کہ افہام و تفہیم سے کام لیں۔ بانس رہے گا تو بنسری بھی بجے گی۔ تعصب نے آج تک کسی کو کامیابی سے ہمکنار نہیں ہونے دیا۔ نہ خبر کو چھپانا جائز ہے اور نہ ہی خبر کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا مناسب۔ صحافت مقدس پیشہ ہے۔ ہر وہ خبر اور ہر وہ واقعہ جو کسی صحافی کے علم میں آئے وہ صحافی اس اطلاع کا امین ہے۔ اس اطلاع کو لوگوں تک پہنچانا اور بالکل اسی طرح اور اسی انداز میں پہنچانا جس طرح اس نے خود جانا اور دیکھا' لازم ہے۔ صحافت کا زریں اصول ہے کہ خبر پر رائے کا رنگ کسی صورت میں نہیں آنا چاہئے۔ البتہ اداریئے' مضامین اور خطوط کے ذریعے ہر ادارے اور ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کی مکمل آزادی ہونی چاہئے۔ اسی طرح حکومت وقت بھی عدل و انصاف کی پابند ہوتے ہوئے عوام کی خدمت پر مامور ہے۔ لہٰذا حکومت کو بھی چاہئے کہ کراچی کے مشکل حالات کو مزید انتہا پسندی سے بچائے اور امن پسند لوگوں سے شکایات و اختلافات کو گفت و شنید کے ذریعے حل کرے تاکہ شرپسند اور باغی عناصر کے ساتھ مل کر سختی سے نمٹا جا سکے۔

بقیہ : حرف آغاز

بھی چکے ہیں۔ چنانچہ جناب عطاء الحق قاسمی کا تحریر کردہ مضمون "نوائے وقت" میں' جناب ہارون رشید صاحب کی تحریر روزنامہ "صداقت" میں اور محترم انور سدید صاحب کی نگارشات "جسارت" میں شائع ہو چکی ہیں۔ ان تمام مضامین کو اس خصوصی اشاعت میں جمع کر دیا گیا ہے۔

مرحوم کی دینی خدمات کا صلہ تو اللہ تعالیٰ ہی انہیں عطا فرمائے گا' اور ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ اس کی بارگاہ میں سرخرو ٹھہریں گے' تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں کہ "اذکروا موتاکم بالخیر" مرحوم کی خدمات کے اعتراف کے طور پر ہم نے یہ خصوصی نمبر مرتب کیا ہے جسے کبھی اعتبار سے مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ اس میں جو کمی رہ گئی ہے وہ ہماری کم کوشی کا نتیجہ ہے۔ ہمیں اس دعا کو اپنے معمولات میں مستقل طور پر شامل کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے' انہیں اپنے دامن رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور انہیں اخروی فوز و فلاح سے ہمکنار کر دے۔ (آمین)

اقتدار حقیقی معنوں میں میرے دست وبازو تھے

ان کی رحلت سے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے

قرائن بتاتے ہیں کہ وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھے

انجمن، تنظیم اور تحریک خلافت، ہر سطح پر میرے ساتھ ان کی رفاقت قائم رہی

مدیر "ندائے خلافت" کی وفات پر امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے جذبات و تاثرات

مدیر "ندائے خلافت" کے انتقال کے تیسرے دن "ندائے خلافت" کے لئے امیر تنظیم اسلامی کے تاثرات ریکارڈ کرنے کے لئے دو افراد پر مشتمل ایک پینل نے جس میں نعیم اختر عدنان اور نثار احمد ملک شامل تھے، مرحوم کے بارے میں سوال جواب کی صورت میں امیر تنظیم سے ایک مختصر انٹرویو لیا جسے مرتب کر کے ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

سوال : آپ کے بھائی اقتدار احمد کی وفات یقیناً آپ کے لئے ایک بڑے صدمے سے کم نہیں، کیا آپ ازراہ کرم، مرحوم کے بارے میں اپنے تاثرات سے ہمیں آگاہ کریں گے؟

جواب : جب برادرم اقتدار احمد نے لاہور سے ہفت روزہ "ندا" کی اشاعت کا آغاز کیا اس وقت انہوں نے میرے بارے میں اپنے تاثرات قلم بند کئے تھے جن سے تحریک پاکر میں نے بھی ان کے بارے میں اپنے قلبی احساسات و جذبات کا اظہار کیا تھا۔ میری وہ تحریر میثاق میں شائع ہو چکی ہے۔ اس حوالے سے بہت سا مواد مطبوعہ صورت میں پہلے سے ہی موجود ہے (اس تحریر کے اقتباسات اسی اشاعت میں شامل ہیں)۔ تاہم ان کی وفات کے موقع پر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ صرف میرے چھوٹے بھائی تھے بلکہ حقیقی معنوں میں میرے دست و بازو تھے، انجمن خدام القرآن، تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت سب میں وہ پوری سرگرمی اور تندہی سے میرے ساتھ شریک رہے۔ مزید برآں، شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں جس اصلاحی تحریک کا آغاز میں نے کیا تھا انہوں نے اس پر بھی لبیک کہی اور اس میں بھرپور شمولیت اختیار کی۔ سماجی اصلاح کی اس مہم کی وجہ سے جیسے میں اپنے کئی عزیزوں اور رشتہ داروں سے کٹ گیا ویسے ہی تمام صدمے برادرم اقتدار احمد کو بھی برداشت کرنا پڑے۔

میں نے اپنی بچیوں کو سکول و کالج میں تعلیم دلوانے کی بجائے گھر ہی میں تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا، اقتدار احمد نے بھی اپنی بیٹیوں کے ضمن میں یہی راستہ اپنایا۔ میں نے جب اپنے گھر میں مکمل شرعی پردے کا نفاذ کیا تو برادرم اقتدار احمد نے اس معاملے میں بھی مکمل اور بھرپور ساتھ دیا اور اپنے گھر میں شرعی پردے کو نافذ العمل کر دیا۔ گویا ہر معاملے میں وہ میرے ساتھی اور مددگار رہے ہیں۔ پھر میرے دفاع میں بھی انہوں نے اپنا قلم بڑی عمدگی اور مہارت سے استعمال کیا۔ انجمن خدام القرآن میں پہلا بڑا عطیہ برادرم اقتدار احمد ہی کی جانب سے آیا تھا جو ایک لاکھ روپے پر مشتمل تھا۔ اب تو روپے کی قیمت خرید بہت کم ہو چکی ہے، لاکھ روپیہ کوئی بھاری رقم محسوس نہیں ہوتی لیکن پندرہ بیس سال قبل ایک لاکھ روپیہ یقیناً بہت بڑا تعاون تھا۔ انجمن کے تاسیسی ارکان کے نام جب حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیئے گئے تو چونکہ ان کا نام الف سے شروع ہوتا ہے لہٰذا برادرم اقتدار احمد ہی کا نام سرفہرست رہا اور یہ حسن اتفاق ہے کہ آخری نام بھی میرے چھوٹے بھائی وقار احمد کا ہے۔ ہم سب بھائیوں میں سوائے وقار احمد کے اور کسی کا نام "و" سے شروع نہیں ہوتا۔ میرے سب سے بڑے بھائی اظہار احمد ہیں، اسی طرح اقتدار احمد، ابصار احمد، اور راقم اسرار احمد۔ ہمارے تین بھائی پہلے ہی وفات پا چکے تھے جن میں سے دو کا نام افتخار احمد تھا اور ایک کا اسرار احمد۔

پاکستان کے حالات جس رخ پر جا رہے ہیں میری طرح اقتدار بھی ان کی وجہ سے شدید صدمے کی کیفیت سے دوچار تھے۔ یہ احساس بھی انہیں تھا کہ "ہم بھی" (مراد ہے تنظیم اسلامی") حالات کی بہتری کے لئے کوئی موثر کردار ادا نہیں کر سکے۔ اسے تنظیم اسلامی کی کمزوریوں سے تعبیر کریں یا اسے میری کم ہمتی کا نام دیا جائے، بہرحال یہ احساس ان کے قلب

"اقتدار میں تمہیں تمہارے رب کی رحمت کے پڑوس میں چھوڑ کر جا رہا ہوں"

میں موجود تھا۔

ایک اختلاف بھی برادرم اقتدار احمد کو مجھ سے تھا۔ یہ اختلاف تنظیم اسلامی کی شوریٰ کے اجلاس میں بھی کئی مواقع پر سامنے آتا رہا۔ وہ اس کے حق میں نہیں تھے کہ میرا وقت بیرونی ممالک خصوصاً امریکہ میں صرف ہو جبکہ میرے سامنے امریکہ میں ایک بار دعوتی اور تنظیمی سلسلے کے آغاز کے بعد اس کے فطری اور منطقی تقاضوں پر مستزاد وہاں کے رفقاء و احباب کے جذبات و احساسات کا لحاظ بھی تھا!۔

میرے ساتھ ان کی تحریکی رفاقت کو اگر انجمن کی تاسیس سے شمار کیا جائے تو اس کا آغاز ۱۹۷۲ء سے ہوتا ہے۔ گویا رفاقت کا یہ سفر ۲۳ سالوں پر محیط ہے۔ لیکن اصلاً میری اور اقتدار احمد کی رفاقت اسلامی جمعیت طلبہ کے زمانے سے یعنی ۵۰۔۱۹۵۱ء سے تھی۔ انجمن، تنظیم اور تحریک خلافت ہر سطح پر میرے ساتھ ان کی رفاقت قائم رہی۔ اس طویل اور ہمہ جہت رفاقت کے دوران متذکرہ بالا ایک اختلاف کے سوا کوئی اور اختلاف رائے میرے اور ان کے درمیان سامنے نہیں آیا۔ خواہ میرے سیاسی تجزیئے ہوں یا تبصرے یا میرا دینی اور عمرانی فکر ہو ہر چیز کے ساتھ وہ مکمل اتفاق رکھتے تھے۔

برادرم اقتدار احمد کے انتقال پر تین چیزیں میرے مشاہدے میں آئیں جن کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے تھے۔ ایک خواہش ان کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ہسپتالوں سے بچائے۔ (اس کا اظہار میرے بڑے بیٹے ڈاکٹر عارف رشید کے سامنے انہوں نے متعدد بار کیا تھا) جس طرح ان کا اچانک انتقال ہوا۔ اس صورت میں کسی ہسپتال وغیرہ کا رخ کرنے کا امکان ہی پیدا نہیں ہوا۔ اس طرح گویا ان کی خواہش اور تمنا کے عین مطابق اللہ نے انتظام کر دیا۔ ظاہر ہے بیماری طول پکڑتی تو کیسے ممکن تھا کہ انہیں علاج و معالجے کے لئے ہسپتالوں میں نہ لے جایا جاتا۔

دوسری خواہش کے حوالے سے اگرچہ وہ تو ایک داغ لے کر دنیا سے رخصت ہوئے لیکن عالم برزخ میں جانے کے بعد انہیں اس کا علم بھی ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش اور آرزو کو بھی پورا کر دیا ہے۔ اقتدار احمد کے داماد عزیزم عبداللہ طاہر سیال اور بیٹے عزیزم حمید احمد دونوں کا جب حادثاتی انتقال ہوا تھا تو ان کی قبروں کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی قبر کے لئے بھی اسی وقت جگہ رکھوالی تھی کہ میں خود بھی ان کے پہلو ہی میں دفن ہوں گا۔ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے انہیں معلوم ہوا کہ اس جگہ پر کسی اور کی قبر بن چکی ہے۔ اس بات کا انہیں دکھ تھا۔ ان کے انتقال کے بعد جب تحقیق حال کی گئی تو معلوم ہوا کہ قبرستان کے ذمہ دار کارکن نے ویسے ہی مصنوعی ڈھیری سی بنا دی تھی تاکہ کوئی اور قبر نہ بنالی جائے۔ چنانچہ اقتدار احمد اپنی خواہش کے عین مطابق مذکورہ جگہ پر ہی اپنے بیٹے اور داماد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

تیسری بات جو میرے لئے انتہائی حیرت کا باعث بنی ہے وہ یہ کہ ان کا انتقال پونے تین بجے صبح ہوا۔ اس وقت اخبارات میں خبر کی اشاعت ممکن نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ان کے جنازے میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ احادیث نبویہؐ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ایک علامت ہوتی ہے مرحوم کی نیک بختی کی۔ زیادہ تعداد کے حوالے سے جنازے میں اللہ کے برگزیدہ اور نیک بندوں کا ہونا زیادہ قرین قیاس ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک طرح کی سفارش اور شفاعت ہی تو ہے۔ اقتدار احمد کی نماز جنازہ میں لوگوں کا اژدھام ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر ہوا ہے۔ جنازے میں کثیر تعداد میں لوگوں کی شرکت بھی ان کے لئے اللہ کے ہاں مغفرت کا موجب بنے گی ان شاء اللہ۔

ان کے علاوہ ایک چوتھی بات اگرچہ راز کی نوعیت کی ہے مگر میں اس راز کو بھی سامنے رکھنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اس سے قبل کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میت کے قبر میں اتارے جانے اور اس پر مٹی ڈالنے کے بعد میری زبان سے کبھی کوئی الفاظ فوت شدہ مدفون شخص سے خطاب کی صورت میں نکلے ہوں مگر مرحوم اقتدار احمد کی قبر پر جب میں مسنون طریقے سے مٹی ڈال کر اور "منها خلقنكم وفيها نعيد كم ومنها نخرجكم تارة اخرى" کے الفاظ کہتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگا تو میری زبان پر بے ساختہ چند الفاظ جاری ہو گئے حالانکہ نہ میں نے ان کے بارے میں سوچا تھا اور نہ کبھی اس سے پہلے یہ الفاظ میری زبان سے نکلے۔ الفاظ یہ تھے "فی جوار رحمت ربک" یعنی: "اقتدار میں تمہیں تمہارے رب کی رحمت کے پڑوس میں چھوڑ کر جا رہا ہوں"۔

برادرم اقتدار کے بارے میں میرا تاثر یہ ہے کہ وہ مجھ سے کہیں زیادہ ذہین تھے اور جسمانی محنت و مشقت کا مادہ بھی ان میں مجھ سے بہت زیادہ تھا۔ دنیوی کاروبار میں جو کامیابیاں انہوں نے حاصل کیں وہ ان کی ذہانت اور محنت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ایک اور حوالے سے بھی اقتدار احمد کی عظمت کا تاثر میرے دل میں نقش ہے وہ یہ کہ جوان سال بیٹے اور داماد کی حادثاتی اموات کو جس طرح صبر کے ساتھ انہوں نے برداشت کیا اس کی تعریف و توصیف کئے بغیر چارہ نہیں۔ ان کے داماد کاروبار میں صحیح معنوں میں ان کے دست و بازو تھے اس لئے کہ ان کے بڑے صاحبزادے عزیزم سعید اسعد اس وقت ابھی تعلیم سے فارغ ہوئے ہی تھے اور انہیں کاروبار کا خاص تجربہ نہیں تھا۔ اور دوسرے بیٹے عزیزم حمید احمد کو انہوں نے میری فرمائش اور خواہش پر ہی قرآن اکیڈمی میں دینی تعلیم کے دو سالہ کورس کے لئے کاروبار سے فارغ کر دیا تھا۔ دونوں کی جوان مرگی کو جس طرح اقتدار احمد اور ان کی اہلیہ نے برداشت کیا وہ ناقابل فراموش ہے۔ صبر کے اس بے مثل مظاہرے کا اس اعتبار سے خاص طور پر چرچا ہوا تھا کہ خواتین کی رونے کی آواز تک بلند نہ ہوئی۔ حالانکہ دو کڑیل جوانوں کے جنازے گھر سے اٹھے تھے۔ اس صدمے کی کیفیت کو جب میں اپنے اوپر طاری کرتا ہوں تو میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو میری کمزوری کا علم ہے اس لئے اس نے مجھے اولاد کی موت کے صدمے سے دوچار نہیں کیا۔ اگرچہ ایک پوتے کی تدفین میں نے خود اپنے ہاتھوں کی ہے، حسین ابن عاکف سعید کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے کسی بیٹے یا بیٹی کے صدمے سے محفوظ رکھا ہے، کسی کا قول ہے کہ انسان کسی دوسرے شخص کی اسی صفت سے زیادہ متاثر ہوتا ہے جو خود اس میں نہیں ہوتی۔ اس حوالے سے میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر صدمے کو جھیلنے اور برداشت کرنے کی قوت اس درجے کی نہیں ہے۔ دو جوان اموات پر صبر و برداشت کا قابل تقلید رویہ اختیار کرنے پر میں برادرم اقتدار احمد سے بہت زیادہ متاثر ہوا تھا۔

اقتدار احمد کی وفات میرے لئے ایک ذاتی نقصان بھی ہے اور تحریکی اور تنظیمی نقصان بھی۔ لیکن تمام نقصانوں کا پورا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، وہ ہر شے کی تلافی کر سکتا ہے۔ حضورؐ کے قول کے مطابق کہ: "اگرچہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل صدمے سے دوچار ہے لیکن زبان یہی کہے گی کہ جو اللہ کی رضا ہے ہم اس پر راضی ہیں!"

ایک سوال کے جواب میں اقتدار صاحب کے

ذاتی تعاون کے بارے میں امیر تنظیم اسلامی نے وضاحت کرتے ہوئے کہا میں نے جب فروری ۱۹۷۱ء میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرتے ہوئے عین حرم مکی میں بیٹھ کر یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب میڈیکل پریکٹس کو خیرباد کہہ دوں گا۔ اس وقت میرے پاس کوئی محسوس اور معلوم ذریعہ آمدنی نہیں تھا۔ اس زمانے میں صورت حال کچھ عجیب تھی کہ میرا بھائیوں کے ساتھ جو کاروباری اشتراک کچھ عرصہ کے لئے ہوا تھا' اس سے بھی علیحدگی ہو چکی تھی اور جیسا کہ عام معمول ہے کہ کاروباری علیحدگی میں تلخی پیدا ہو ہی جاتی ہے ("PARTINGS ARE ALWAYS PAINFUL") اس وقت بڑے بھائی اظہار احمد صاحب سے تو میرے تعلقات بہت ہی کشیدہ تھے' خود اقتدار سے تعلق میں بھی سرد مہری کا معاملہ تھا یا یوں کہہ لیں کہ اقتدار احمد کے ساتھ بھی ان دنوں زیادہ قرب نہیں تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد صورت حال بدل گئی اور برادرم اقتدار احمد نے مجھے مالی تعاون کی پیشکش کی تو میں نے کہا کہ اگر یہ تعاون محض بھائی ہونے کے ناطے سے ہے تو مجھے قطعاً قبول نہیں ہے لیکن اگر تنظیم و تحریک اور میرے مشن سے اتفاق کرتے ہوئے اس کے فروغ کے لئے تعاون کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے اس پر اقتدار احمد نے کھلے دل و ذہن کے ساتھ میری تحریک اور مشن کے ساتھ پورے اتفاق کا اظہار کرتے ہوئے تعاون کرنے کی خواہش ظاہر کی جسے میں نے قبول کر لیا اور اسے انہوں نے بھرپور طریقے سے طویل عرصے تک نبھایا۔ جس کی تفصیل میں نے اپنے ایک کتابچے "حساب کم و بیش" میں درج کر چکا ہوں۔

سوال : "ندا" بڑی موثر آواز تھا مگر بوجوہ زیادہ دیر تک چل نہ سکا اس کی کیا وجوہات تھیں؟

جواب : اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر اسرار احمد نے فرمایا: اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں اشتہارات کے حوالے سے بڑی پابندیاں ہیں۔ بینکوں کے اشتہارات پر پابندی رہی اور دیگر سودی اداروں جیسے انشورنس کا ادارہ ہے' سب کا یہی معاملہ رہا۔ اسی طرح ایسے اشتہارات جن میں کوئی تصویر آئی ہو خصوصاً خواتین کی تصاویر' ٹیکسٹائل' ٹی وی' ریڈیو' حتیٰ کہ موٹر سائیکل بلکہ سائیکل کے اشتہارات میں بھی خاتون ہی کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سرکار دربار سے بھی ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہا۔ اس وجہ سے سرکاری اشتہارات کا سلسلہ بھی ہمارے دائرہ کار سے خارج ہو گیا۔ دوسری طرف تنظیم کے رفقاء کی جانب سے عدم تعاون کا گلہ اور شکوہ بھی اقتدار احمد (مرحوم) کو تھا۔ ان کو شدید احساس تھا کہ جس طرح تنظیم کے ساتھیوں کو چاہئے تھا کہ وہ "ندا" کو (own) کرتے' اسے پروموٹ کرتے' ایسا تنظیم کے رفقاء نے نہیں کیا۔

"ندا" میں برادرم اقتدار احمد کی چھپنے والی تحریروں سے بعض اوقات مجھے بھی اختلاف ہو جاتا تھا۔ اگرچہ اداریوں اور تبصروں میں وہ میرا ہی سیاسی اور عمرانی فکر پیش کرتے تھے لیکن اس وقت ملک کے اندر ایک خاص فضا پھیلی ہوئی تھی۔ جماعت اسلامی کا بہت ہی موثر ابلاغ کا نظام موجود تھا۔ جماعت کا ایک خاص سیاسی فکر اور نقطہ نظر تھا جو ایک بڑے حلقے میں پھیلا ہوا تھا اگرچہ اب وہ صورت حال موجود نہیں ہے اور جماعت خود اس سیاسی طرز فکر سے دستبردار ہو کر اس سے رجوع کر چکی ہے لیکن اس دور میں ابھی ہمارے نقطہ نظر کے لئے فضا سازگار نہ تھی۔ خصوصاً تکبیر کے مدیر صلاح الدین (مرحوم) کے خیالات و نظریات کے حوالے سے ان دنوں غیر جانبداری پر مبنی خیالات اور نقطہ نظر کو بھی "جانبداری" ہی کے زمرے میں سمجھا جاتا تھا۔ "ندا" کے ان تجزیوں اور تبصروں کو پیپلزپارٹی کی حمایت گردانا گیا۔ حالانکہ خود میں اور اقتدار احمد معروضی انداز میں غیر جانبدارانہ تبصرے اور تجزیے کرتے تھے جن کو "ندا" کے بہت سے قارئین اور تنظیم اسلامی کے بعض رفقاء نے اس وقت صحیح پس منظر میں نہ سمجھتے ہوئے قبول نہ کیا۔ ان وجوہ کی بنا پر "ندا" کو کامیابی سے نہ چلایا جا سکا۔

گویا موجودہ صحافت کے معروف طریقے اور ذرائع ہمارے لئے بند تھے اس لئے کہ وہ ہمارے نزدیک "منکر" کی حیثیت رکھتے تھے جب کہ دوسرے ممکن راستوں اور طریقوں کے لئے راہ ہموار نہیں ہوئی تھی۔ اس پرچے کا جس طریقے سے خیر مقدم اور استقبال ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہوا۔ یہ بات برادرم اقتدار احمد کے سینے میں ایک "داغ" کی حیثیت سے موجود رہی لیکن یہ معاملہ بھی تنظیم کے رفقاء کی جانب سے تھا میری طرف سے بالکل نہیں تھا۔

وہ اگرچہ ہمیشہ میری رائے اور موقف ہی کو بیان کرتے تھے تاہم بعض اوقات وہ انداز تحریر کے حوالے سے غیر محتاط ہو جاتے تھے۔ ان کی تحریروں میں "زبان کی کاٹ" میرے ذوق اور مزاج کے اعتبار سے مختلف ہوتی تھی اگرچہ رائے تجزیہ اور موقف' استدلال اور دلائل و براہین سب کچھ میری سوچ کا ترجمان اور عکاس ہوتا تھا۔ سیاسی اور عمرانی فکر سب کا سب میرا ہی دیا ہوا تھا جسے وہ بیان کرتے تھے۔

سوال : تنظیم اسلامی سمیت ملک کی کسی بھی دینی و مذہبی جماعت کا پیغام صرف محدود حلقے ہی میں پہنچ رہا ہے اور تمام دینی تنظیموں اور اداروں کے رسائل و جرائد صرف ایک مخصوص و محدود حلقے ہی میں پھیل رہے ہیں گویا کوئی بھی دینی جماعت پرنٹ میڈیا کے حوالے سے موثر اور کامیاب اخبار یا رسالہ ابھی تک نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکی آخر کیوں؟

جواب : دینی جرائد و رسائل عوام کے ذوق کو پورا نہیں کر سکتے۔ روزنامہ اخبارات میں سے روزنامہ مشرق نے سیکنڈ لز اور دیگر "مواد" شامل کر لیا جسے بعد ازاں روزنامہ جنگ نے بڑے پیمانے پر وسعت دی اور اب تقریباً تمام قومی اخبارات ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان اخبارات کے مطالعے سے عوام کا ذوق بگڑ چکا ہے لہٰذا عوام کے اس بگڑے ہوئے ذوق کی تسکین دینی رسائل و جرائد تو نہیں کر سکتے۔ دینی لوگوں کو اس میدان میں بہرحال بہت سی پابندیاں نبھانا پڑتی ہیں اس وجہ سے دینی رسائل و جرائد کا دائرہ کار زیادہ وسعت اختیار نہیں کر سکا۔ تاہم اس میدان میں تکبیر کا نام لیا جا سکتا ہے کہ اس نے اس سلسلے میں کامیابی حاصل کی ہے اگرچہ ان کا براہ راست تعلق تو کسی دینی جماعت سے نہیں ہے مگر صلاح الدین مرحوم ایک تو خود مذہبی وضع قطع کے آدمی تھے' پھر وہ جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار کے مدیر رہے تھے۔ اس حوالے سے "تکبیر" کو مذہبی صحافت کے حلقے میں شمار کیا جا سکتا ہے تاہم تکبیر نے صحافت کے مروجہ تقاضے کسی حد تک پورے کئے چنانچہ اس کی اشاعت اور کھپت بڑے وسیع دائرے میں ہو رہی ہے۔ بعض دوسرے امور کے علاوہ سیاسی سطح پر ایک پارٹی کی حمایت اور دوسری کی مخالفت والا رویہ بھی تکبیر نے پوری طرح اپنایا ہوا ہے۔ اشتہارات کے ضمن میں بھی انہوں نے خاصی نرم پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔

سوال : اقتدار احمد صاحب کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے کیا آپ کے بھائیوں میں سے کوئی دوسرا اسے پر کر سکے گا؟

جواب : اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تو بعید نہیں ہے کہ وہ اس خلاء کو کسی کے ذریعے پورا کر دے۔ میرے دونوں چھوٹے بھائی تو میرے ساتھ ہیں ہی' ان

کا تعاون تو مجھے حاصل ہے۔ بڑے بھائی اظہار احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ اس جانب متوجہ کر دے اور وہ اس خلا کو پر کرنے کے لئے آگے آئیں تو برادرم اقتدار احمد کی کمی پوری ہو سکتی ہے اگرچہ وہ صاحب قلم تو نہیں ہیں۔ برادر محترم کے ماشاء اللہ پانچ باصلاحیت بیٹے ہیں۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے آپ کو اسی تحریک کا فرد سمجھتا ہوں جس کا آغاز فکری سطح پر علامہ اقبال مرحوم نے کیا تھا جسے بعد ازاں عملی میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی نے پروان چڑھایا تھا۔ اس تحریک اسلامی میں میرے بڑے بھائی میرے پیش رو ہیں، پہلے انہوں نے ہی اس راہ میں سبقت اختیار کی تھی اور میں تو گویا اس معاملے میں ان کا "متبع" ہوں اور اسی حیثیت سے جماعت اسلامی میں آیا تھا۔ لیکن بعد میں بھائی جان کی پوری توجہ اور دلچسپی کاروبار اور تعمیرات کے فن کی جانب مرکوز ہو گئی۔ میری تو ہمیشہ سے یہ آرزو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو پھیر دے اور اب برادرم اقتدار احمد کے انتقال کے بعد تو یہ خواہش اور زور پکڑ گئی ہے کہ جو خلا ان کی وفات سے پیدا ہو گیا ہے وہ اسے کسی حد تک پورا کر سکیں۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اقتدار احمد مرحوم تو صاحب قلم تھے اور ان کا ایک خاص طرز تحریر اور منفرد انداز نگارش تھا۔ اپنے اسی انداز تحریر کی وجہ سے اقتدار احمد نے صاحبان قلم اور ارباب صحافت سے داد اور تحسین وصول کی ہے۔ بھائیوں میں ایسی صلاحیت تو کسی میں نہیں ہے البتہ ساتھیوں میں سے کسی میں یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ پیدا کر دے تو کچھ بعید نہیں۔○○

بقیہ : یادِ یارِ مہربان...

بھائیوں سے اظہار تعزیت و ہمدردی کروں کہ "بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور یقیناً ہمیں اسی کی طرف لوٹ جانا ہے" مگر میرا تکلف اور ہچکچاہٹ آڑے آتے رہے۔ میں اپنے آپ سے کہنے لگا کہ تم وہاں جا کر کیا کرو گے اور بھلا تمہاری ان کے بیٹوں سے کب علیک سلیک رہی ہے۔ میں اسی کیفیت میں مبتلا رہا کہ تین بج گئے۔ عصر سے کچھ قبل قرآن اکیڈمی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے پہنچا اور مرحوم و مغفور اقتدار احمد کے چہرے کا آخری دیدار کیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی خطاؤں سے درگزر فرمائے اور ان کی مغفرت فرما کر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔○○

میرے عظیم دادا ابا

"وہ ہماری نمازوں کا بہت خیال رکھتے تھے"

مرحوم اقتدار احمد کی پوتی وردہ احمد (متعلمہ کلاس ششم) کی اپنے دادا کی یاد میں ایک تحریر

۶ جون کو صبح فجر کی اذان کے وقت امی نے مجھے بتایا کہ دادا ابا فوت ہو گئے ہیں تو فوراً مجھے محسوس ہوا کہ دادا ابا کبھی فوت نہیں ہو سکتے لیکن فوراً ہی یہ یاد آگیا کہ ہر انسان کو آخر اس دنیا سے جانا ہی ہے اور موت ایک یقینی چیز ہے۔ میرے دادا ابا نے بھی اس دنیا سے جانا تھا اور وہ چلے گئے اور ہم سب نے بھی مرنا ہے لیکن یہ خیال آتے ہی مجھے بہت صدمہ ہوا کہ دادا ابا ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے۔

میرے دادا ابا بہت عظیم اور صابر انسان تھے۔ آخری چند مہینوں میں انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں۔ بہت شدید تکلیف میں ہوتے تھے لیکن کبھی شکوہ کے الفاظ ہم نے ان کے منہ سے نہیں سنے اور اب تو وقت آیا تھا کہ ہم سب دادا ابا کی خدمت کرتے لیکن انہوں نے ہمیں خدمت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ ہم سب پوتے پوتیوں کو بہت پیار کرتے تھے۔ ہمارا بہت خیال رکھتے۔ ہماری نمازوں کا خاص طور پر حساب رکھتے تھے۔ اپنے تینوں پوتوں سید عمیر اور عمیر کو دادا ابا نے نمازی بنایا۔ پابندی کے ساتھ نماز پڑھنے والے بچوں کو وہ باقاعدہ انعام بھی دیا کرتے تھے۔ دادا ابا نے گھر میں ایک چھوٹی سی مسجد بنائی ہوئی ہے جس میں وہ خود جماعت کراتے تھے۔ دادا ابا نے ہمیشہ ہمارے ساتھ پیار کیا، وہ ڈانٹتے بھی تھے تو پیار کا عنصر غالب ہوتا تھا۔ سب سے چھوٹا پوتا زبیر آج کل ان کا بہت لاڈلا تھا۔ میں سوچتی ہوں کہ میرے نانا ابا (مراد ہیں ڈاکٹر اسرار احمد جو بچی کے سگے نانا ہیں) کو کتنا صدمہ اٹھانا پڑا ہو گا کیونکہ دادا ابا اور نانا ابا صرف رشتے میں ہی سگے بھائی نہیں تھے بلکہ دین میں بھی دادا ابا اپنے بڑے بھائی کے سب سے قریب تھے۔ وہ نانا ابا کی ہر دینی معاملے میں تائید کرتے تھے۔ دادا ابا نے دین کی بہت خدمت کی ہے۔ تنظیم اسلامی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بہت نیکیاں کمائی ہیں۔ دادا ابا اپنی ہر چیز کو اور ہم سب کو چھوڑ کر چلے گئے صرف نیکیاں ساتھ لے گئے ہیں۔ مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ میرے دادا ابا بہت پرسکون ہوں گے۔ قبر میں ان کو جنت کا سا آرام ہو گا۔ میرے دادا ابا بہت خوش قسمت ہیں۔ ان کی خواہش کے مطابق نانا ابا نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور دادا ابا کے لئے بہت مغفرت کی دعائیں کروائیں۔ ہزاروں افراد نے ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کی ہیں اور انہوں نے جو نیکیاں کی ہیں ان کا اجر ان شاء اللہ ہزار گنا ہو کر ان کو ملے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے گھر میں بہت اچھی اور بلند جگہ پر ہم سب کو اکٹھا کرے۔ آمین

قارئین توجہ فرمائیں!

زیر نظر شمارہ غیر معمولی طور پر ضخیم ہے۔ تعداد صفحات کے اعتبار سے یہ معمول کے قریباً تین شماروں کے مساوی ہے۔ تاہم ادارے کی جانب سے یہ دو شماروں کے قائم مقام سمجھا جائے گا۔ گویا آئندہ باقاعدہ شمارہ اگست کے پہلے ہفتے میں شائع ہو گا۔ انشاء اللہ

"وہ میرے نہایت دیرینہ معاون اور رفیق کار ہیں"

"برادرم اقتدار احمد کے ساتھ حقیقی بھائی ہونے کے اساسی رشتے پر مستزاد راقم کے پانچ مزید رشتے قائم ہو چکے ہیں"

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ اقتدار احمد مرحوم کے انتہائی قریبی تعلق اور مثالی تعاون کی داستان

امیر تنظیم کے اپنے قلم سے

مرتب : حافظ عاکف سعید

۱۹۸۸ء میں "بعض ذاتی اور خانگی کوائف" پر مشتمل محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ایک تحریر تین اقساط میں (جولائی تا ستمبر) ماہنامہ "میثاق" میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں جہاں دوسرے بھائیوں کا تذکرہ آیا وہاں فطری طور پر مرحوم اقتدار احمد کا ذکر بھی کہ جو امیر محترم کے تین چھوٹے بھائیوں میں سب سے بڑے اور عمر کے اعتبار سے بھی تمام بھائیوں میں ان کے قریب ترین تھے' خاصی تفصیل سے آیا۔ ذیل میں ہم اس طویل تحریر میں سے متعلقہ حصے درج کئے دے رہے ہیں کہ ان کے ذریعے نہ صرف یہ کہ امیر تنظیم کے ساتھ مرحوم کے ہمہ جہت تعلق و تعاون اور بالخصوص غلبہ و اقامت دین کی اس جدوجہد میں ان کے مالی انفاق کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے بلکہ مرحوم کا سوانحی خاکہ بھی ایک حد تک نکھر کر سامنے آتا ہے۔ (مرتب)

دیگر چھوٹے بھائیوں یعنی محترم وقار احمد صاحب اور جناب ابصار احمد صاحب کا ذکر کرنے کے بعد امیر تنظیم اسلامی رقم طراز ہیں :

"ان میں سب سے بڑے' --- اور مجھ سے متصلاً چھوٹے ہیں مدیر "ندا" برادرم اقتدار احمد' جن کے ساتھ حقیقی بھائی ہونے کے اساسی رشتے پر مستزاد راقم کے پانچ مزید رشتے قائم ہو چکے ہیں' یعنی ان کی تین بچیاں میرے تین بیٹوں کے گھروں کی زینت ہیں اور میری دو بچیاں ان کی بہوئیں ہیں' لیکن ان جملہ رشتوں سے اہم تر معاملہ یہ ہے کہ وہ میرے نہایت دیرینہ معاون اور رفیق کار ہیں' اور تحریک اسلامی کے ساتھ ان کا تعلق بھی تقریباً اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود میرا!

چنانچہ جن دنوں راقم میڈیکل اسٹوڈنٹ کی حیثیت سے اسلامی جمعیت طلبہ کا فعال کارکن تھا' وہ بھی ہائی اسکول کے طالب علم کی حیثیت سے سرگرم کار تھے۔ اور ۵۱-۵۰ء کی انتخابی مہم میں بھی انہوں نے انتھک کام کیا تھا--- اور دسمبر ۵۱ء کی اس دس روزہ تربیت گاہ میں بھی شرکت کی تھی جو راقم نے بحیثیت ناظم جمعیت لاہور منعقد کی تھی اور جس کے نہایت دور رس اثرات خود راقم کی شخصیت اور بعد کی زندگی کے رخ پر مترتب ہوئے تھے!

۵۲ء میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کچھ خاندانی حالات اور زیادہ تر ذاتی نفسیاتی الجھنوں کے باعث نہ صرف یہ کہ انکی تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا بلکہ کچھ عرصہ وہ نہایت شدید نفسیاتی بحران کا شکار رہے۔ راقم کو نہایت شدت کے ساتھ احساس تھا کہ ان کی نفسیاتی الجھنوں کے پیدا ہونے میں کچھ حصہ الفاظ قرآنی "ان کثیرا من الخلطاء لیبغی بعضھم علی بعض" (سورۂ ص : ۲۴) اور فارسی مقولے "سگ باش برادر خورد مباش!" کے مصداق ہم بڑے بھائیوں --- بالخصوص راقم کا بھی تھا۔ لہٰذا راقم نے اس کی تلافی کی اور ان کی دلجوئی کی ہر ممکن کوشش کی اور ان ہی مساعی کے سلسلے کی ایک کڑی کے طور پر سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم و مغفور کے ساتھ اپنے ذاتی مراسم اور رسوخ کو بروئے کار لا کر مولانا محمد ایوب صاحب کی صاحبزادی سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ (مولانا ان دنوں سردار صاحب کے یہاں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے اور جماعت اسلامی کے ساتھ فعال وابستگی رکھتے تھے۔) اور بحمد اللہ اس کے نہایت صحت مند نتائج ظاہر ہوئے --- اور نہ صرف یہ کہ آں عزیز کی زندگی کی گاڑی صحیح پٹڑی پر پڑ گئی بلکہ پھر انہوں نے اپنی تعلیمی کمی کی بھی بھرپور تلافی کی ---- اور گیارہ ماہ کے اندر اندر تین امتحان پاس کر لئے' اولاً ادیب فاضل' پھر ایف اے اور پھر بی اے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے لاہور کا رخ کیا اور ایک جانب اسلامیہ کالج سول لائن میں ایم اے انگلش کے لئے اور دوسری جانب لاء کالج میں ایل ایل بی میں داخلے کے لئے آزمائشی ٹیسٹ دیئے' اور دونوں میں کامیابی حاصل کر کے بالفعل داخلہ ایل ایل بی میں لے لیا---- اور اس کے ساتھ ساتھ اولاً ڈیڑھ دو ماہ روزنامہ "تسنیم" اور بعد ازاں ہفت روزہ "ایشیا" میں کام کرنا شروع کر دیا اور موخر الذکر کے سلسلے میں تو اتنی کامیابی حاصل کر لی کہ ملک نصراللہ خاں مرحوم و مغفور نے اپنی آپ بیتی پر مشتمل ایک کالم کے سوا باقی پورا پورچہ ان کے حوالے کر دیا اور انہوں نے بھی چھ ماہ کے اندر اندر اس کی اشاعت میں معقول اضافہ کر کے دکھا دیا۔

اس وقت تک اللہ تعالیٰ نے بھائی جان کی شدید محنت اور مشقت کے صلے میں ان کے کاروبار میں برکت عطا فرما دی تھی اور ان کی تعمیراتی فرم کا کام کافی وسعت اختیار کر گیا تھا' جس کے لئے انہیں معاون ہاتھ درکار تھے۔ چنانچہ ان کی دعوت پر عزیزم اقتدار احمد نے بقول

خود قلم ہاتھ سے رکھ کر بیلچہ تھام لیا اور الحمدللہ کہ اس میدان میں بھی ان کی طبعی ذہانت نے جلد ہی اپنا لوہا منوالیا۔ بعد میں بھائی جان نے ان کے' اور ان سے چھوٹے بھائی عزیزم وقار احمد کے لئے جنہوں نے بی ایس سی کا امتحان پاس کرلیا تھا' پرائیویٹ ٹیوشن کے ذریعے سول انجینئرنگ کی تعلیم کا اہتمام بھی کر دیا۔ جس کے نتیجے میں انہیں کاروبار کے ضمن میں عملی مہارت کے ساتھ ساتھ فنی بصیرت بھی حاصل ہو گئی---اور اس طرح یہ دونوں چھوٹے بھائی پیشہ اور کاروبار کے اعتبار سے مستقلاً اس "شاہراہ" پر گامزن ہو گئے جس کا "افتتاح" بھائی جان نے کیا تھا!...."

☆ ☆ ☆

پھر کچھ اور حالات و واقعات کا ذکر کرنے کے بعد جن میں اہم ترین معاملہ امیر تنظیم کا کراچی منتقل ہو کر کچھ عرصے کے لئے بھائیوں کے ساتھ ایک کاروبار میں شرکت اختیار کرنے اور پھر جلد ہی یہ اندیشہ محسوس کر کے کہ کہیں اس طرح زندگی کے اصل ہدف یعنی اقامت دین کی جدوجہد سے دوری نہ ہوتی چلی جائے' اس کاروباری شراکت سے علیحدگی اختیار کرنے کا تھا' مرحوم کے بارے میں اپنے احساسات کا اظہار امیر محترم نے ان الفاظ میں کیا ہے :

"...انگریزی زبان کے ایک مشہور مقولے کا حاصل یہ ہے کہ علیحدگیاں ہمیشہ تلخیوں کو جنم دیتی ہیں۔ ہماری کاروباری علیحدگی بھی اس قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ نہ رہ سکی' اور بھائی جان کے ضمن میں تو وہ صورت پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو کر رہی جس کا اندیشہ میری علیحدگی کے اسباب میں داخل تھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ ایک طویل عرصے تک تعلقات کشیدہ رہے۔ خود عزیزم اقتدار احمد کے ساتھ اگرچہ کوئی براہ راست تلخی تو پیدا نہیں ہوئی' لیکن غیر محسوس طور پر مغائرت کے پردے حائل ہوتے چلے گئے۔ (اور اس میں بھی' جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا' اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم حکمت مضمر تھی!)

ہماری کاروباری علیحدگی جس انداز میں ہوئی' اس کے نتیجے میں برادرم اقتدار احمد کو ایک مستحکم کاروباری ادارے کے مالک و مختار ہونے کی حیثیت حاصل ہو گئی' اور اس طرح ان کی ذہانت اور صلاحیت کو بھرپور طور پر بروئے کار آنے کا موقع ملا۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ انہوں نے اپنی خداداد لیاقت اور شدید محنت و مشقت کے نتیجے میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی اور اس میدان میں فتح و کامرانی کے بہت سے بلند اور نمایاں جھنڈے نصب کئے۔ (اور اس کے نتیجے میں ہماری معاشی سطح میں جو نمایاں فرق و تفاوت پیدا ہوا' اس نے ہمارے مابین مغائرت کے پردوں کو مزید دبیز کر دیا!)"

☆ ☆ ☆

بھائیوں کے ساتھ امیر تنظیم کی کاروباری شراکت ۱۹۶۲ء تا ۶۵ء کل تین سال برقرار رہی۔ ۶۵ء میں امیر تنظیم کراچی سے ساہیوال اور پھر وہاں سے لاہور منتقل ہو گئے۔ اس کے بعد اواخر ۷۰ء تک پانچ سال کا عرصہ بعض اعتبارات سے امیر تنظیم کی زندگی کا مصروف ترین اور شدید ترین مشقت کا دور تھا کہ جس کے دوران مختلف ہی نہیں متضاد قسم کی مصروفیات کا شدید دباؤ ان پر رہا۔ ایک جانب مطب کی مصروفیت تھی تو دوسری جانب حلقہ ہائے مطالعہ قرآن کے نام سے ہفتہ وار درس قرآن کے پروگراموں کا انعقاد' جن سے ہفتے کی کوئی شام مستثنیٰ نہیں تھی' اور اس سب پر مستزاد تھا ماہنامہ "میثاق" کی ادارت اور دارالاشاعت الاسلامیہ کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کے انتظامی امور کا بوجھ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وسط ۷۰ء میں صحت بالکل جواب دے گئی۔ ان تمام باتوں کا تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد امیر تنظیم لکھتے ہیں :

"... ان دنوں برادرم اقتدار احمد سے تو مکانی فصل و بعد بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ ان کا کاروبار مرکز بھی کراچی میں تھا اور کاروباری سرگرمیاں بھی زیادہ تر اندرون سندھ تک محدود تھیں۔ مزید برآں کاروباری علیحدگی کے بعد سے کچھ ذہنی اور قلبی حجابات بھی طاری ہو گئے تھے' جن میں' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' ان کے کاروبار میں نمایاں کامیابیوں اور ترقیوں سے پیدا شدہ مالی حیثیت کے فرق و تفاوت کی بنا پر بھی بہت کچھ اضافہ ہو گیا تھا"۔

☆ ☆ ☆

اوائل ۷۱ء میں حج کے موقعہ پر بالآخر امیر تنظیم نے اپنی زندگی کا یہ اہم ترین فیصلہ کر لیا کہ معاش کے معاملے کو خالصتاً اللہ پر چھوڑتے ہوئے آئندہ وہ ہمہ وقت دین کی خدمت کے لئے وقف ہو جائیں گے۔ اس کے بعد قریباً ڈیڑھ سال کا عرصہ معاشی اعتبار سے کسی قدر تنگی میں بسر ہوا' رزق کے دروازے بظاہر بند نظر آئے لیکن پھر "ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ" اور "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب" کی بشارتوں کا ظہور جس طور سے ہوا اس کی تفصیل امیر تنظیم نے اپنے ایک مضمون "حساب کم و بیش" میں بیان کی ہے۔ مرحوم اقتدار احمد کا ذکر وہاں بھی امتیازی شان کے ساتھ موجود ہے :

"...معاشی اور مالی اعتبار سے "فتح باب" کی پہلی صورت یہ سامنے آئی کہ غالباً وسط ۷۲ء میں برادرم اقتدار احمد میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ "میں آپ کے ساتھ تعاون کا خواہش مند ہوں!"---جس پر بحمداللہ میں نے ان سے یہی کہا کہ "اگر تم یہ تعاون صرف بھائی ہونے کے ناتے کرنا چاہتے ہو تو میری غیرت کو گوارا نہیں ہے۔ لیکن اگر میرے مشن میں شرکت کے خواہاں ہو تو جو تعاون کرو گے قبول ہو گا"---اس پر جب انہوں نے کھلے دل' اور واضح الفاظ میں یقین دلایا کہ صورت واقعتاً دوسری ہی ہے تو میں نے ان کے تعاون کو قبول کرنے کی ہامی بھر لی--- چنانچہ انہوں نے : (i) ایک جانب اپنی ایک نئی کمپنی (احمد کنکریٹ لیمٹڈ) میں' جس کے تحت ایک کارخانہ لگایا جا رہا تھا' کچھ حصص اپنی جانب سے میرے نام کر دیئے --- اور اس کے سالانہ منافع وغیرہ کے حساب میں مجھے (غالباً) پندرہ سو روپے ماہوار ادا کرنا شروع کر دیا۔ (کچھ عرصے کے بعد ان کا یہ ماہانہ "زر تعاون" دو ہزار تک بڑھ گیا۔)

(ii) دوسری جانب جیسے ہی مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا مجوزہ خاکہ سامنے آیا اس کے "موسسین" میں شرکت اختیار کر لی۔ (انجمن میں بحمداللہ اسی حیثیت سے عزیزم وقار احمد سلمہ بھی شامل ہو گئے۔ چنانچہ بعد میں جب موسسین انجمن کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے درج ہوئے تو یہ خوبصورت شکل سامنے آئی کہ اول نام برادرم اقتدار احمد کا تھا اور آخری عزیزم وقار احمد کا---- شاید یہی حکمت ہو اس میں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب بھائیوں میں صرف ایک "واؤ" سے شروع کرایا!) بعد میں برادرم اقتدار

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

میرا ماں جایا----ڈاکٹر اسرار احمد

اپنے بھائی کی عظمت کے بیان میں مرحوم کی ایک یادگار تحریر جو لکھنے والے کی اپنی عظمت کا ثبوت فراہم کرتی ہے !

امیر تنظیم کے بارے میں اقتدار احمد مرحوم کی ایک بے مثال یادگار تحریر جس کی ہر ہر سطر میں اپنے بڑے بھائی اور دینی قائد و رہنما کے لئے والہانہ محبت و عقیدت کے جذبات شدت کے ساتھ جھلکتے نظر آتے ہیں

ایک ایسے بزرگ سے بے تکلف گفتگو ہو رہی تھی جو اپنی ذات میں خود انجمن ہیں' ادیب' صاحب قال و حال عالم دین' دانشور' بے تحاشا لکھے پڑھے' ایک دنیا گھومے پھرے ہوئے' ہر شعبہ زندگی کے رجال کبار سے رہ و رسم رکھنے والے اور باتوں باتوں میں مخاطب کا "اندر" باہر نکال لانے کے فن میں طاق --وہ میرا علمی حدود اربعہ اور ذخیرہ مطالعہ و مشاہدہ کرید رہے تھے اور میں اپنی جگہ خجل کہ "کریدتے ہو جو یہ خاک' جستجو کیا ہے؟" - اپنے پاس تھا کیا جو وہ برآمد کرتے - آخر انہوں نے پوچھا- "آپ اپنی زندگی میں سب سے بڑھ کر کس ہم عصر شخصیت سے متاثر ہوئے ہیں" اور میں نے بلا تامل جواب دیا- "اپنے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد سے"- "یہ اس شخص کی عظمت کی سب سے بڑی دلیل ہے"- انہوں نے بے ساختہ کہا اور پھر خاصی دیر "بڑی بات ہے' بڑی بات ہے" کا ورد کرنے کے بعد بتایا کہ وہ اہل دین میں سے بھی نمایاں' بہت نامور بزرگوں کو جانتے ہیں جن سے ایک دنیا متاثر تھی اور ہے لیکن ان کے قریب ترین لوگ' بھائی بہن' بیٹے بیٹیاں اور بہویں داماد کبھی کبھار مصلحت کے تحت کلمہ خیر کہنے کے باوجود دلوں میں انہیں کسی اونچے مقام پر نہیں بٹھاتے- "گھر کا جوگی جوگنا' باہر کا درویش" اسی لئے ایک کہاوت بنی ہے' ایک ایسا اصول..... استثناء جس کی صداقت پر دلیل بنتا ہے-

تنظیم اسلامی کے پندرہویں سالانہ اجتماع کی مناسبت سے مرتب کئے جانے والے "ندا" کے اس خاص شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد کی ذات پر بہت کچھ لکھا جانا چاہئے تھا اور اس کی ضرورت بھی ظاہر ہے- جماعتوں اور تنظیموں میں اپنے قائد کی مدح و ستائش' اس کی شخصیت کی سحر سازی اور IMAGE BUILDING پر بڑا زور دیا جاتا ہے- یہ سب کچھ اپنے چاروں طرف ہوتا کون نہیں دیکھ رہا' بلاضرورت بھی اور حکمت عملی کے تحت بھی' شعوری کوشش کے ساتھ بھی اور لاشعوری جذبات سے مغلوب ہو کر بھی- وہاں یہ مطلوب و محمود ہے یا نہیں' تنظیم اسلامی میں اس کے داعی اول اور تاحیات امیر کی زندگی اپنے ساتھیوں کے لئے ایک کھلی کتاب ہونی چاہئے کیونکہ اس اسلامی انقلابی جماعت کے نظم کی اساس شخصی بیعت پر' ڈاکٹر اسرار احمد کے ہاتھ پر- سمع و طاعت فی المعروف کی شخصیت بیعت- چنانچہ وہ اپنے رفقاء کو تحریروں' تقریروں میں اپنے بارے میں حسب ضرورت اور اکثر صورتوں میں ضرورت سے زائد بھی بتاتے رہتے ہیں- اپنے ذہنی سفر کی داستان' دعوت رجوع الی القرآن کی تاریخ اور سنگ ہائے میل' اکابرین سے اثر پذیری اور ان کے اپنے ذاتی زندگی پر اثرات کی حکایت' اقامت دین کی دھن میں اس کے لئے جد و جہد کے منہاج کی تلاش اور اپنے مراحل حیات سے اس کے ربط کی کہانی اور ان سب میں کسی خرق عادت بات' کسی کرامت کا ذکر نہیں ہوتا- کسی کشف کا اور رویائے صادقہ یا کاذبہ کا حوالہ نہیں ملتا' ایک عام آدمی پر گزرنے والی کیفیات سننے میں آتی ہیں... ایک جویائے حق آدمی جسے اللہ نے محض توفیق سے نوازا ہے- ایک سالانہ اجتماع کی خصوصی نشست میں تو بات حد سے بڑھ گئی اور یہ بات زیادہ پرانی بھی نہیں' یہی کوئی دو تین سال پہلے کی ہے-

یہ صلائے عام کی ایک مجلس تھی جو بالعموم تنظیم اسلامی کے اجتماعات کا ایک اہم حصہ ہوتی تھی جن میں رفقاء کو کھنے کی کھلی چھٹی ہوتی- وہ اپنی جماعت کی دعوت' طریق کار' اہداف اور نظم کے ذمہ داروں حتیٰ کہ امیر تنظیم کے بارے میں اپنے اشکالات اور اعتراضات پیش کرتے اور ان کے جواب پاتے تھے- ایک دو حضرات کی طرف سے مصرع اٹھایا گیا کہ امیر محترم میں "بزرگی" کے آثار نظر نہیں آتے اور "درویشی" کا مظاہرہ بھی نہیں جو اسلامی انقلابی جماعت کے قائد میں بھرپور ہونا چاہئے- اختتامی تقریر میں ڈاکٹر اسرار احمد وضاحتیں کرتے ہوئے جب اس موضوع تک پہنچے تو اعلان کیا کہ میں فرائض کی حد تک تو مکلف ہوں کہ ان ادائیگی کرتا دکھائی دوں لیکن نفلی عبادات کے معاملے میں میں نے کبھی کوئی دعویٰ کیا نہ یہ خواہش رکھتا ہوں کہ آپ لوگ زیادہ خوش گمانی میں

مرحوم جو تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی ہر تقریب میں باہتمام موجود ہوتے تھے' اپنے بھائی کی تقریر پر ہمہ تن گوش ہیں

مبتلا ہوں۔ اقامت دین کی جد و جہد کے فرض عین میں اپنی جسم و جاں اور دل و دماغ کی پوری صلاحیت کھپانے کو میں نفلی عبادات سے بہرحال افضل شمار کرتا ہوں۔ رہی بات درویشی کی تو اس سلسلے میں بھی عزیمت کا راستہ میں نے صرف اللہ کی توفیق سے حرام و حلال کے معاملے میں اختیار کیا ہے۔ دکھاوے کی سادگی میری طبیعت کے خلاف ہے اور بود و باش کی پختہ عادات سے بھی متصادم۔ تاہم حاضرین میں سے جو لوگ پسند کریں' میرے یہاں بیٹھے جا کر میرے گھر کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ آئیں اور میرے ٹھاٹھ باٹھ کا خود اندازہ کرلیں۔

حاضرین میں سے بہت سے اپنے امیر کے معیار زندگی کا ذاتی علم رکھتے تھے' کچھ کو شرم نے آگھیرا۔ پھر بھی کئی درجن پیر و جواں اٹھے' تجسس فطرت انسانی میں خود اللہ تعالیٰ نے ہی تو رکھا ہے۔ امیر محترم نے اپنے ایک بیٹے کو ساتھ کر دیا کہ خواتین کو صحن کے بیرونی راستے سے پڑوس میں بھیج کر اپنے ان ساتھیوں کو گھر کا چکر لگوا دے۔ مسجد کے ہال سے جہاں یہ نشست جاری تھی' باہر نکلے تو چند قدم پر قرآن اکیڈمی کے "کوارٹروں" کی وہ دو منزلہ قطار ہے جن میں سے دو انجمن خدام القرآن نے اپنے صدر مؤسس کو رہائش کے لئے کرایہ کے بغیر دے رکھے ہیں۔ رفقائے تنظیم کے گروہ نے ایک ایک کمرہ دیکھا' باورچی خانے اور غسل خانے تک میں جھانکا اور واپس آئے تو ان کے چہروں پر اطمینان اور خجالت کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ان میں سے اکثر کے گھروں میں اپنے امیر کے دولت کدے سے بہتر اور وافر ساز و سامان تھا۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہی دیکھتے اور بغیر کسی پیشگی ارادے کے ہوا۔ گویا ایک طرح کا "چھاپہ" تھا' خانہ تلاشی تھی جس میں سے ساتھیوں کے سکیٹ برآمد ہوئی کیونکہ ان کا امیر ایک سفید پوش غریب آدمی نکلا تھا۔

ڈاکٹر اسرار احمد کی داستان حیات کو ان کی کتابوں' مطبوعہ تقاریر اور جرائد میں شائع ہونے والے متعدد انٹرویوز سے اخذ کر کے الگ سے مرتب کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔ جب ضرورت ہوئی اللہ کا کوئی بندہ یہ کام ضرور کرے گا لیکن میرے پیش نظر اس وقت ان کی سوانح لکھنا نہیں' اپنے بھائی کی شخصیت کے وہ پہلو دکھانا ہے جن تک ایک ماں جائے کی نگاہوں کی ہی رسائی ہو سکتی ہے۔ ان کی زندگی کے بعض گوشوں سے ان کے رفقائے کار مجھ سے بہتر واقف ہوں گے' وہ ان کے ساتھ جو کام کرتے رہے ہیں۔ ان کے اثرات مجھ سے کہیں زیادہ قبول کرنے والوں کی بھی کمی نہیں لیکن میرا بھائی.... بابو بھائی' دوسرے تین بھائیوں اور چار بہنوں کے مقابلے میں میری زندگی پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوا۔ وہ حصار (ہریانہ - بھارت) میں اپنے والدین کے اس گھر میں پیدا ہوئے جو ریلوے سٹیشن کے قریب واقع تھا اور جہاں ہم پس ماندہ مسلمانوں کی نظروں میں ریل کے بابو بہت معزز اور بڑے ہی قابل رشک سمجھے جاتے' وہ اپنے سے بڑی بہن کے اگلے نمبر پر ایک بھائی کے کم سنی میں انتقال کے بعد پیدا ہوئے اور ان کی کٹوروں جیسی آنکھوں سے ذہانت ٹپکتی تھی لہٰذا بابو کہلانے لگے۔ میں نے ہوش سنبھالا تو سب سے بڑے بھائی مجھ سے دس برس بڑے ہونے کے باعث تعلیم کی اگلی منزلیں طے کرنے کے لئے دو سو میل دور لاہور میں مقیم تھے اور والد صاحب مرحوم و مغفور ضلع کچہری کے نامور ترین قابل و محنتی اہل کار' دیوان جی' ہونے کے ناطے اپنے کام میں بے طرح مصروف - میرا واسطہ اپنے سے چار سال بڑے بابو بھائی سے پڑا۔

آج کہتا ہوں کہ میں اپنی عمر سے کم از کم دس برس بڑا ہوں' بچپنے میں بھی یہ بات اتنی ہی درست تھی۔ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد متوسط طبقے کے درمیانی بلکہ زیریں پرت میں بھی زیادہ نہ تھی اور یہ لوگ بھی اس مخلوط معاشرے میں باعزت سمجھے جاتے لیکن اپنی سفید پوشی کا بھرم رکھنے کو ان معزز تر مسلمان اہل کاروں کو کیا پاپڑ نہ بیلنے پڑتے ہوں گے' اس کا اندازہ لگانا اب آسان نہیں رہا۔ ایسے ہی ایک سفید پوش اہل کار گھرانے میں نویں بچے کی پیدائش پر کتنی خوشی منائی گئی ہو گی جن میں اجل کی نقب زنی کے بعد بھی چھ بقید حیات تھے اور دو سال بعد جن میں ساتویں کا اضافہ تقریباً یقینی۔ والدین نے واجبی توجہ اور محبت ضرور دی ہوگی لیکن روایتی لاڈ پیار سے محرومی اور اس پر مستزاد دل و دماغ کی زود حسی نے مجھے الجھا کے رکھ دیا اور خوب یاد ہے کہ میں بہت چھوٹی عمر میں بڑی بڑی باتیں سوچنے لگا تھا.... لایعنی اور بے حقیقت باتیں جن کا کوئی سرا بھی میرے ہاتھ نہ لگتا۔ ستم بالائے ستم بابو بھائی کی سرپرستی جو مجھ سے کہیں زیادہ خوش نصیب تھے کہ پانچویں نمبر پر ایک بیٹے کے گود خالی کرنے کے بعد پیدا ہوئے اور دادا ابا کی فراغت و فرصت اور شفقت سے بھی جی بھر کے فائدہ اٹھا چکے تھے۔ اپنے محسوسات کے بوجھ تلے جھکی ایک کچی شاخ پر بھاری بھرکم اور پر اعتماد شخصیت رکھنے والے بڑے بھائی کی نگرانی کا اضافی بار یعنی مرے پہ سو درے - "سگ باش برادر خورد مباش" - کسی میرے جیسے ہی دل جلے کی زبان سے نکلا ہوگا۔ انہوں نے تعلیم و تربیت کی غرض سے مجھ پر سختی روا رکھی یا اپنی بزرگی کا خراج وصول کیا' اللہ ہی جانے' میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میرے خالق سبحانہ و تعالیٰ نے جو طبعی کمزوریاں آزمائش کے لئے میرے کھاتے میں ڈال کر مجھے دنیا میں بھیجا تھا ان میں اس "حسن سلوک" سے سہ چند اضافہ ہو گیا اور وہ گویا میری سرشت کا حصہ بن کر رہ گئیں۔

یوں تنظیم اسلامی کے امیر محترم ان بشری خامیوں اور طبعی کوتاہیوں کی ذمہ داری میں حصہ دار

ڈاکٹر اسرار احمد کو اللہ تعالیٰ نے دل و دماغ کی بے مثال ہم آہنگی عطا کی ہے

ہیں جن سے میں اب تک گلوخلاصی نہیں کرا سکا' شاید مرتے دم تک جان نہ چھڑا سکوں۔ انہوں نے بعد میں اپنے قصور کی تلافی کر دی' جو بے شمار نیکیاں مجھ سے کیں ان میں سے ایک ہی عند اللہ میرے باب میں ان کے سب گناہوں کا کفارہ بن جائے گی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے (جی ہاں' اس وقت تک وہ ایم بی بی ایس کر چکے تھے) تجویز کیا کہ اس نیم تعلیم یافتہ' بے روزگار' آشفتہ حال نوجوان کی وحشت کا مداوا شادی میں ہے۔ والدین' بھائی بہن اور عزیز و اقارب سب اس بے تکی بات پر انگشت بدنداں تھے کہ یہ تو ڈوبا ہے' ایک اور جان کو اس کے ساتھ کیوں ڈبویا جائے۔ تاہم انہوں نے ساری مخالفت کے علی الرغم اور آٹھ دس جگہوں سے رشتے کے سوال پر ٹکا سا جواب ملنے پر بھی میرے لئے ایک عدد مناسب و موزوں بیوی کی تلاش جاری رکھی اور ٹھیک بیس سال کی عمر میں میرا گھر آباد کر دیا۔ یہ نہ ہوا ہوتا تو میں کبھی کا مرکھپ گیا ہوتا کیونکہ مجھ میں وہ ڈھیٹ ہڈی موجود نہ تھی جو رشتے میں ہمارے ایک قریبی عزیز کی شکل میں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں' آج بھی زمین کا بوجھ ہے۔ انہیں دیکھتا

ہوں تو ڈاکٹر اسرار احمد کے اسی ایک احسان کا کوہ گراں میری کمر کو دوہرا کر دیتا ہے۔

میرے تنظیمی بھائی پریشان نہ ہوں' میں ان کے امیر کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی ڈالنے کے بہانے اپنی رام کہانی سنانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا بس مقطع سے بہت پہلے مطلع میں ہی سخن گسترانہ بات آ پڑی۔ ویسے بھی اگر انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کو فرشتہ سمجھا تو بہت غلط کیا۔ وہ ایک عام انسان کی طرح اسی معاشرے میں پلے بڑھے ہیں۔ بشری کمزوریوں سے وہ ہرگز مبرا نہیں نہ اس کا دعویٰ کبھی انہوں نے کیا۔ ہاں قسام ازل نے اپنے فضل خاص سے انہیں یہ ملکہ ضرور عطا کیا ہے کہ خامیوں کو حد سے تجاوز نہ کرنے دیں اور خوبیوں کو حکمت قرآنی کے زیور سے آراستہ کرتے چلے جائیں۔ کیا ہم اپنے رب کی خلاقی کا یہ کمال نہیں دیکھتے کہ ایک ہی وقت میں روئے ارضی پر رہتے بستے اربوں انسانوں میں ایک شکل و صورت' ایک قدبت اور ایک سی عادات و اطوار رکھنے والے دو انسانوں کو دریافت کر لینا عجائبات دنیا میں شمار ہوتا ہے۔ ایک ماں جائے پانچ بھائی ایک دوسرے مختلف ہوں اور ہر ایک جدا جدا "شاکلہ" رکھتا ہو تو اس میں تعجب کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔ میں ان میں منجھلا ہوں اور شاید اسی لئے جامع الصفات بھی ہوں' میری ذات میں دونوں بڑے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کے خصائص کا عکس موجود ہے..... لیکن بس عکس ہی اور عکس بھی ایسا جسے احوال و ظروف کے موجزن پانی کی سطح پر جوار بھاٹے نے مسخ کر کے رکھ دیا چنانچہ اب اپنے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد کے کردار کی رفعت کو نگاہوں میں سمیٹنے کے لئے مجھے اپنی ٹوپی سنبھالنی پڑتی ہے۔ للہ' کوئی صاحب میرے حال کے گز سے ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کو ماپنے نہ بیٹھ جائیں۔

ان کے کردار کی اس رفعت کا راز کیا ہے؟۔ ایک اور صرف ایک۔ انہوں نے اللہ کی کتاب ہدات سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔ یہ کیسے ہوا' قرآن حکیم سے قلبی و ذہنی تعلق قائم کرنے میں کن عوامل نے کام کیا' حکمت قرآنی کے فیض کا اکتساب انہیں کونسی شخصیات کے ذریعہ ہوا اور اس سلسلے میں وہ کس کس کے کتنے کتنے ممنون احسان ہیں۔ ان موضوعات پر انہوں نے خود ہی بہت روشنی ڈالی ہے اور انہیں سننے پڑھنے والے رفقائے تنظیم ان سب تفاصیل سے خوب واقف ہیں۔ انہیں جو کچھ حاصل ہوا' انہی مطبوعہ حروف قرآنی سے ہوا جو آپ اور ہم تلاوت کرتے

> **"مجھ سے کہا..... "اقتدارا میں لوگوں سے ان کے لال کس منہ سے مانگو' اگر تم بھی اپنے بیٹوں کی زکوٰۃ نہ نکالو" انہوں نے میرے چمن کے سب سے خوبصورت پھول کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا**

ہیں اور میں اس کا چشم دید گواہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ انہیں موسیقی سے شغف تھا جسے انہوں نے قرآن مجید کی قرات کی طرف موڑ دیا' انہیں شعر و ادب کا ذوق تھا جس کی بھرپور تسکین اللہ کے پرشکوہ کلام سے ہوئی' انہیں اللہ نے ذہانت و فطانت سے نوازا تھا جسے انہوں نے فہم قرآن میں استعمال کیا' وہ انسانی نفسیات سے دلچسپی رکھتے تھے چنانچہ انسانوں کے خالق نے اپنی کتاب میں اپنے بندوں کی جو تحلیل نفسی کی وہ ان کے دل میں گھر کر گئی' وہ علم الابدان کا مطالعہ کر چکے تھے قرآن مجید نے جس کی توثیق کی' انہیں مخاطبین کو اپنی تقریروں سے مسحور کر دینے کا ملکہ حاصل تھا جسے قرآن کے انقلابی فکر' دندان شکن استدلال اور مسحور کن خطابت نے صیقل کیا اور وہ ہر اچھی سنی پڑھی بات کو یادداشت میں محفوظ رکھ سکنے کی صلاحیت رکھتے تھے جس میں انہوں نے قرآن کے چیدہ چیدہ حصے حفظ کر کے اور برکت ڈالی۔ یہ پورا عمل خالص انسانی سطح پر ہوا' جس میں کوئی غیبی اشارہ' کوئی روحانی برتری' کوئی کشف و کرامت غرض کسی بھی مافوق الفطرت بات کا دخل نہ تھا اور اس عمل (Process) سے گزرتے میں نے خود انہیں دیکھا ہے۔

مجھے پندرہ سال پہلے زعیم مصری جمال عبدالناصر کے دینی مزاج رکھنے والے جنرل سعید قادر یعنی فوج کے کیو ایم جی اور بعدہ وزیر پیداوار' جنرل فتحی رزق نے جدہ میں میرے بھائی کی کتاب "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا خوبصورت عربی ترجمہ پڑھنے کے بعد یہ کہہ کر چونکا تو دیا تھا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کتاب کو لکھنے والا شخص کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا" تاہم حضور نبی اکرم ﷺ کی ایک طویل حدیث کا مفہوم جب سامنے آیا جس میں اسی بات کی طرف جامع اور شاندار اشارہ ملتا ہے تو میری حیرت دور ہو گئی۔ میں نے بچشم سر دیکھا کہ قرآن حکیم کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے والا یہ شخص' میرا بھائی اپنا ہر خیال' ہر جذبہ' ہر مایوسی کا مداوا اور ہر کامرانی پر عجز و سپاس کے اظہار کا قرینہ اسی کتاب سے مستعار لیتا ہے... اور میں نے بچھونا کہہ کر کہیں قرآن کریم کی توہین تو نہیں کی!۔ نہیں' خود اللہ سبحانہ و تعالیٰ ایک حدیث قدسی کے مطابق جب اپنے مومن بندے کے پاؤں بھی بن جاتے ہیں جن سے وہ چلتا ہے تو کلام اللہ کو بچھونا کہہ دینے میں کیا حرج۔

وہ معاملات کی سوجھ بوجھ رکھنے اور انتظامی امور سے نپٹنے میں ہم پانچوں بھائیوں میں سب سے آگے ہیں۔ خاندانی معاملات میں بھی ان کی رائے کو ہمیشہ فوقیت دی گئی۔ اس باب میں کم تر قابلیت رکھنے والے ہم تین بھائی لاکھوں بلکہ کروڑوں میں کھیلے' چوتھے کو استثناء اس لئے ہے کہ اس نے تعلیم و تعلم کو پیشہ بنایا ہے جس میں کمائی کے مواقع محدود ہوتے ہیں لیکن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی خصوصی صلاحیت اور خداداد ذہانت کو بھی دنیا بنانے میں نہیں بلکہ ہر سطح پر دین کے کام میں کھپایا۔ ان کے لئے خود اپنے پیشے (یعنی ڈاکٹری جس میں بہت جلد مشہور ہو گیا کہ ان کے ہاتھ میں شفا ہے) یا ہمارے کاروبار (جس میں انہیں دو بار شریک کیا گیا) یا سیاست (جس کے مواقع انہیں ہر زمانے میں ملتے رہے) کے میدان کھلے پڑے تھے' جتنا چاہتے تاخت و تاراج کرتے' آگے سے آگے بڑھتے چلے جاتے لیکن انہوں نے شعوری طور پر اور خود اپنے اختیار کو استعمال کرتے ہوئے اپنی پوری ذہنی و جسمانی توانائی دعوت رجوع الی القرآن اور قرآن کی انقلابی دعوت پھیلانے میں جھونک دی۔ ان میں کم و بیش وہ سب وہبی خامیاں بھی یقیناً موجود تھیں جو باقی آٹھ بہن بھائیوں میں پائی جاتی ہیں' ان کی جھلکیاں کبھی کبھار نظر بھی آتی ہیں لیکن ان عیوب کو حکمت قرآنی اور سیرت مطہرہ سے شغف کے فیض نے گویا ڈھانپ لیا ہے۔ قربان جائیے' کیسی ستار العیوبی ہے یہ بھی۔ حقیقت یہ ہے اور اس کی طرف قرآن و حدیث میں واضح اشارے بھی ملتے ہیں کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ حکمت قرآنی سے نواز دے' اس سے بڑا دولت مند کوئی نہیں ہو سکتا اور جسے اللہ کے رسول ﷺ کی

حیات طیبہ کے نقوش رہنمائی و دست گیری کے لئے مل جائیں' اس انسان عظیم کے نقوش قدم جس نے معصوم عن الخطاء اور اللہ کا برگزیدہ ترین بندہ ہونے کے باوجود مسلمانوں کے درمیان خالص انسانی سطح پر زندگی گزار کر دکھائی' اس سے بڑا غنی کون!

وہ ہم سب بھائیوں میں سب سے زیادہ بازوق شخص تھے۔ اچھا کھانے' اچھا پہننے' اچھی چیزیں استعمال کرنے اور اچھی سے اچھی گاڑی رکھنے' اس میں بیٹھنے بلکہ اسے تیز سے تیز دوڑانے میں سب سے آگے تھے لیکن ایک مقصد کی لگن نے ان کے ذوق و شوق کی واحد سمت کو متعین کر دیا ہے۔ خوش ذوقی آج بھی موجود ہے' حسن ترتیب رخصت نہیں ہوا' خوب سے خوب تر کی تلاش موقوف نہیں ہوئی' تیز گامی بھی ترک نہیں کی لیکن ان کی تسکین اب قرآن اکیڈمی اور قرآن کالج کے حسن انتظام' کتابوں اور جرائد کی خوبصورت طباعت و اشاعت اور قافلہ تنظیم اسلامی کی حدی خوانی میں ہوتی ہے۔ یہاں کور ذوقی' بے ترتیبی اور ماحضر و ماتیسر منہ پر قناعت انہیں بری طرح کھلتی ہے' غصہ آئے تو انہی باتوں پر آتا ہے۔ میں کوئی احتمال۔ ہاں کار رسالت کو جو ختم نبوت کے بعد ہر امتی کی ذمہ داری بن گیا' وہ خود تو اللہ کی تائید و توفیق سے نبھا رہے ہیں' اپنے بارے میں کیا کہوں۔ "من آنم کہ من دانم"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی پکڑ لی تھی کہ میں طور پر تورات وصول کرنے گیا تو تم کیا سوئے رہے تھے جو سامری نے بچھڑے کا مجسمہ بنا کر اپنے جادو کے زور سے اس میں جان ڈالی اور میری امت کو اس کی پوجا پر لگا لیا' میرے موسیٰ کو یہ خبر ہو بھی گئی ہو کہ اس کے ہارون نے خود اپنے دل میں تین سو ساٹھ بت سجا رکھے ہیں تب بھی ان کا ہاتھ میری داڑھی پر نہیں پڑا کہ میرا صنم کدہ آنکھوں سے نظر نہیں آتا اور انہیں علم غیب تو کیا کشف و القاء کا بھی دعویٰ نہیں۔ میرے طاہر کے باطن کو خداداد بصیرت کی آنکھ سے دیکھتے بھی ہوں تو چشم پوشی کی سنت پر عمل پیرا ہیں۔ کیا عجب میری نابنجاری کو بھی ان کی کریمی سے شرم آ ہی جائے' کوئی ایسی صبح مجھ پر بھی طلوع ہو تو سکتی ہے جب میرے خوابیدہ قوائے عمل انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھیں۔ اے اللہ مجھ پر رحم فرما' اس صبح کے نور سے میری دنیا کو بھی منور کر دے۔ ربی وفقنی لما تحب وترضی۔

اپنے زمانے کے داعیان حق اور کبار رجال دین کی طرف اشارہ نہیں کرتا' لوگ خود ہی موازنہ کر لیں۔ میرے بھائی کو بہرحال اللہ تعالیٰ نے جس فضیلت سے نوازا وہ میری تو آنکھیں کھول دینے کو کافی تھا اور آج تک ہے۔ انہوں نے اپنے اہل خانہ کو اپنی اولین دینی ذمہ داری سمجھا اور پھر قریب ترین عزیزوں کے دلوں پر جا کر دستک دی۔ اپنی اولاد کو ہمہ تن دین کی خدمت میں لگانے کے بعد قرآن اکیڈمی میں دین کی بنیادی تعلیم' عربی کی ضروری تحصیل اور قرآن مجید سے ذہنی رشتہ استوار کرنے کا ایک دوسالہ نصاب جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے شروع کیا تو مجھ سے کہا۔ "اقتدار' میں لوگوں سے ان کے لال کس منہ سے مانگوں اگر تم بھی اپنے بیٹوں کی زکوٰۃ نہ نکالو!"۔ میرے چار بیٹوں میں سے ایک بہت چھوٹا تھا اور ایک میٹرک کی تیاری میں' گویا یہ دونوں تو دو سالہ کورس میں داخلے کی اہلیت ہی نہ رکھتے تھے۔ بڑے دونوں تعلیم سے فراغت کے بعد کاروبار میں میرے دست و بازو بنے ہی تھے کہ یہ مطالبہ سامنے آ گیا۔ "ان میں سے چھوٹا مجھے دے دو' وہ نسبتاً زیادہ ذہین و فطین ہے"۔ انہوں نے میرے چمن کے سب سے خوبصورت پھول کی طرف ہاتھ بڑھا دیا تھا جو پیش کر دیا گیا۔ وہی پھول اللہ تعالیٰ کو بھی پسند آیا اور پہلے سال کی تکمیل کے بعد دوسرے سال کی کلاسز ATTEND کرتے ہوئے عین عالم شباب میں شاخ سے توڑ لیا گیا۔ ہفتہ کے روز کلاس کا وقت شروع ہونے سے پہلے وہ نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ گیا' جمعہ کو چھٹی تھی اور جمعرات کی کلاس وہ پڑھ کر گیا تھا۔

۲۷ ستمبر ۱۹۸۶ء کی سہ پہر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میرا بیٹا اور داماد (جو حقیقی بھانجا بھی تھا) عبداللہ طاہر دونوں بیک وقت لاہور سے دو سو میل دور سڑک کے اچانک حادثے میں دم توڑ گئے تھے۔ میرا لخت جگر احمد ڈاکٹر اسرار احمد کا داماد اور ان کی اکیڈمی کا ایک ہونہار طالب علم بھی تھا اور طاہر بھی ان کا حقیقی بھانجا اور پڑوسی' جس سے انہیں خیر کثیر کی توقع تھی۔ میری ڈھارس بندھانے کو وہ بھی دوسرے اعزہ و اقارب کی

ان کے کردار کی اس رفعت کا راز کیا ہے؟ ایک اور صرف ایک ---- اللہ کی کتاب ہدایت سے ناتا

الجھن انہی سے ہوتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد اور میرے درمیان ایک حجاب اور بعد کی کیفیت بھی کچھ دنوں برقرار رہی لیکن اس کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں۔ مجھے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کئے تو چھ سات سال سے زیادہ نہیں ہوئے لیکن مرکزی انجمن خدام القرآن کے موسسین کی فہرست میں میرا نمبر پہلا ہے تو اگرچہ بظاہر اس کا سبب حروف تہجی کی ترتیب بنی تاہم سچ یہ ہے کہ "گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار' لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا"۔ میں باقی سب بھائی بہنوں کے مقابلے میں ذہنی طور ان سے قریب تر اور عمل کے اعتبار سے شاید سب سے زیادہ دور رہا ہوں۔ دروغ بر گردن راوی انہوں نے ایک موقع پر اپنے خاص رفقاء کی کسی محفل میں مجھے اپنے مشن کے لئے کسی نسبت و تناسب کے بغیر حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ (علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام) سے تشبیہ دی۔ بڑے بھائی اللہ کے رسول تھے اور چھوٹے نبی' یہاں نہ وہ رسول ہیں نہ مجھ میں نبوت کا کسی درجے

طرح میرے گھر آ گئے جس کی فضا پر غم واندوہ کے سیاہ بادل سایہ فگن تھے۔ باہر کے بڑے مردانہ کمرے میں عصر کی نماز ان کی اقتداء میں باجماعت پڑھی گئی جس کے بعد دعائیں حسب حال تھیں۔ ہمیں وہ شام اور پوری شب اپنے نوجوانوں کے کچلے ہوئے جسموں کا انتظار کرتے آنکھوں میں کاٹنی تھی۔

مغرب کی جہری نماز میں انہوں نے قرآن مجید سے چنیدہ حصے ملکوتی ترنم اور گہرے تاثر کے ساتھ پڑھے جو ان کی قلبی کیفیت کے آئینہ دار تو تھے ہی' میری قرآنی عربی میں تھوڑی بہت شد بد بھی کام آ گئی۔ آنکھیں بہتی رہیں لیکن دل کو قرار آ گیا۔ ایسی سکینت طبیعت پر طاری ہوئی جو دو عالم کی متاع دامن میں بھر کر حاصل نہ ہوتی۔ دعاؤں نے کچھ اور ڈھارس بندھائی لیکن عشاء کی نماز تک ضبط کے بندھن پھر ٹوٹ گئے تھے تو میرے ڈاکٹر بھائی نے دوا کی ایک اور خوراک نکالی۔ عشاء کی طویل تر قراءت میں انہوں نے قرآن کریم کے کچھ اور حصے منتخب کئے۔ زندگی اور موت کا فلسفہ' فکر انسانی کی نارسائی' حقیقت اشیاء' مصائب دنیوی پر صبر کا عقبیٰ میں انعام'

ان بچوں کی موت کی نوعیت جو خود ان کے لئے اور والدین کے لئے توشہ آخرت بن سکتی تھی جیسے موضوعات پر کلام الٰہی کے جادو نے زخموں پر پھریھا ہے کا کام کیا۔ رات بھر انگاروں پر لوٹتے رہنے کے بعد فجر کی نماز میں صبر و مصابرت کا اعلیٰ ترین قرآنی درس دوبارہ دیا جب ہمارے مسلے ہوئے پھول گھر پہنچ کر دلوں میں کرب و الم کی کرچیاں بہت گہرائی تک پیوست کر چکے تھے۔ یہ قرآن کریم کا اعجاز تو تھا ہی لیکن کیا اس میں سے حسب موقع و محل مخصوص حصے تلاش کر کے مرہم کی طرح استعمال کرنے والے ڈاکٹر کی تشخیص و تجویز کا کوئی کمال نہ تھا؟ کیا اقبال نے مومن کی شان یہی بیان نہیں کی کہ "قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں"۔ بچوں کی تکفین و تدفین کا مرحلہ بھی مجھ پر تو ایک بھیانک خواب کی طرح گزرا لیکن ڈاکٹر صاحب نے جس عزیمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اطمینان و سکون کے ساتھ خود بڑھ کر اس کی تکمیل کی' اس نے سینکڑوں دیکھنے والوں کو ہلا کر رکھ دیا یا یوں کہئے کہ دین اور ایک دیندار کی عظمت ذہنوں پر نقش کر دی۔

اس سے بہت پہلے ہمارے پھوپھی زاد بھائی' شیخ نصیر احمد (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) سرطان کی سرجری کے دوران انتقال کر گئے تھے۔ ان کی نماز جنازہ میانی صاحب کی جنازگاہ میں میرے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد نے پڑھائی۔ ان کی میت کے ساتھ کھڑے ہو کر پہلے حاضرین سے مختصر خطاب کیا' پھر نماز سے پہلے مرحوم کی مغفرت کے لئے دعا کی خالص ذاتی درخواست کے ساتھ تاکید و ترغیب کے چند کلمات ادا کئے اور کہا کہ ان کی کسی بھلائی کا بدلہ آپ اب اسی شکل میں دے سکتے ہیں' اپنے اسی آخری انجام کا لحاظ کرتے ہوئے ان کی کسی برائی کو معاف کر کے احسان کرنے کا یہی موقعہ ہے تو غیر متعلق حاضرین کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں۔ کیا قاری کو یہ حقیقت تسلیم کرنے میں تامل ہوگا کہ میرے دل میں اک ہوک سی اٹھی تھی' کاش اس چارپائی پر استراحت کرتا یہ سفید پوش شخص بھائی نصیر نہ ہوتے' میں خود ہوتا۔ بعد میں بھی ان کی اقتداء میں کوئی بھی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دل سے دعا نکلتی ہے کہ میرا خاتمہ بالخیر اپنے بھائی کی حیات میں ہو۔ کیا عجب ان کے ہاتھوں تجہیز و تدفین میرے بھی کسی کام آ جائے۔ اللہ انہیں عمر خضر عطا فرمائے اور ان پر وہی دھن سوار رکھے جو تاحال ان کے دل و دماغ پر مستولی ہے۔

"ان کی (امیر محترم) اقتداء میں کوئی بھی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد دل سے دعا نکلتی ہے کہ میرا خاتمہ بالخیر اپنے بھائی کی حیات میں ہو۔ کیا عجب ان کے ہاتھوں تجہیز و تدفین میرے بھی کسی کام آ جائے۔ اللہ انہیں عمر خضر عطا فرمائے اور ان پر وہی دھن سوار رکھے جو تاحال ان کے دل و دماغ پر مستولی ہے"

کیا اپنے مقصد حیات یا آئیڈیل سے خلوص کی پیمائش کا کوئی پیمانہ دنیا میں بھی موجود ہے؟۔ میرا جواب اثبات میں ہے۔ دوسروں کی بات کیوں کروں' ہم تین بھائیوں نے اپنی زندگی کی توانائیوں کا ایندھن پیٹ کے جس بھاڑ کو گرم کرنے اور گرم رکھنے میں پھونکا اسی میں اپنے بیٹوں کو بھی جھونک دیا ہے' چوتھے بھی شاید ایسا ہی کوئی کام دکھائیں اور کیا میرے بھائی اسرار نے بھی یہی لیکن اپنی اولاد کو ایک مختلف بھاڑے پہ لگایا۔ ان کے تین بیٹے دین کے اسی مشن میں شریک ہیں جس کی دعوت دیتے باپ نے انگریزی محاورے کے مطابق اپنی موم بتی کے دونوں سروں کو آگ دکھائے رکھی اور آخری چوتھا ابھی چھوٹا ہے لیکن بچ کر جائے گا کہاں؟۔ بڑے تینوں بیٹے اہل و عیال والے ہیں۔ پہلے بیٹے کی شادی ڈاکٹر بھائی نے تنظیم اسلامی میں اپنے رفیق خاص کی صاحب زادی سے کی اور مطلوب دینی رشتے کو دنیوی تعلق سے گرہ دے کر مضبوط کرنا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کو کچھ اور منظور ہوا۔ ان کے اولین سمدھی دور ہوتے جا رہے ہیں لیکن تنظیمی تعلق اس ڈر سے نہیں توڑتے کہ کہیں بیٹی کو ستایا نہ جائے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر صاحب نے خدا کو شاہد بناتے ہوئے ان سے علیحدگی میں کہا بھی ہے کہ اس خود طاری کردہ خوف اور وہم سے رہائی پا کر کوئی فیصلہ کیجئے کیونکہ وہ بچی جو کبھی آپ کی بیٹی تھی' اب میری آنکھوں کا نور ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہم کا علاج لقمان حکیم کے پاس بھی نہ تھا۔ باقی دو بیٹے میرے داماد ہیں اور اس لئے کہ "ہارون" کی بیٹیاں "موسیٰ" نہ لے گا تو کون لے گا اور اس میں تعلی محسوس ہو تو یوں کہئے کہ "کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد"۔

اپنے جگر کی ٹھنڈک بیٹیوں کو لوگ اچھی سے اچھی جگہ بیاہتے ہیں کہ سکھ پائیں' عیش دیکھیں' راج کریں۔ ڈاکٹر اسرار ایک بار تو اپنی پانچوں پیاری بیٹیوں سے فارغ ہو چکے تاہم آخری ایک جس کی شادی بھی بہت کم عمری میں ہوئی' ساس کی شقاوت قلبی اور شوہر کی بے حسی کا شکار ہو کر یا قسمت کا لکھا بھگتنے کے بعد پھر والدین کی آغوش شفقت میں واپس آ گئی' باقی چاروں اپنے گھروں میں آرام سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں دین و دنیا کے انعامات سے نوازے رکھے اور پانچویں کو بھی انہی کی طرح گھر کا سکھ دکھائے۔ پہلی بیٹی کے لئے اچھرہ میں تین مرلے کے ایک گھر کے مکین اہل حدیث خاندان سے رشتہ آیا جس میں میری بھابی کی ایک بھتیجی کچھ پہلے سے رونق افروز تھی۔ والد وفات پا چکے تھے چنانچہ دونوں بھائی خود چل کر قرآن اکیڈمی میں ڈاکٹر صاحب کے گھر سوال لائے۔ بڑے گویا بھتیجے داماد تھے اور چھوٹے امیدوار۔ کہا گیا کہ آپ ماشاء اللہ دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے اور نماز روزے کے پابند ہیں لہٰذا کوئی اور تفصیل درکار نہیں لیکن ڈاکٹر اسرار کا داماد داڑھی کے بغیر ہو' بات کچھ جچتی نہیں۔ دونوں بھائی خاموشی سے اٹھ کر چلے گئے اور ایک ماہ بعد دوبارہ آئے تو دونوں کے چہروں پر سنت رسول بہار دکھا رہی تھی۔ بات بن گئی کیونکہ کوئی اور کھود کرید کی ہی نہیں گئی تھی اور واحد شرط ایک چھوڑ' دونوں نے پوری کر دی۔ بعد میں اس داماد نے بیعت کی اور اب تنظیم کے سرگرم ذمہ دار رفقاء میں سے ہے۔ دوسری بیٹی تنظیم اسلامی کے ایک نمایاں رفیق کے چھوٹے سے گھر گئی جس نے دانتوں کی سرجری میں تعلیم کے دوران ہی تنظیم کے قریب آنا شروع کر دیا تھا اور شادی کے بعد کٹھن مراحل سے گزر کر جن میں دو سالہ کورس کی تکمیل بھی شامل ہے اور جماعت میں درجہ بدرجہ اوپر اٹھتے اٹھتے اب جماعتی نظم میں پاکستان کی سطح پر امیر تنظیم کے بعد سب سے بوجھل ذمہ داری اپنے

کاندھوں پر اٹھا رکھی ہے۔ یہ دونوں داماد ذات برادری اور خاندانی پس منظر کے اعتبار سے ہمارے لئے بالکل اجنبی اور دنیوی جاہ و حشمت میں ہمارے گھرانے کی حیثیت کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے۔ اب دین میں وہ کم از کم مجھ سے بہت' بہت زیادہ بلند ہیں۔

میرے بھائی کی دو بیٹیاں تین بار دلہن بن کر میرے گھر اتریں۔ (وجہ نہیں بتاؤں گا۔ اپنے زخم کو پھرے سے کیوں کریدوں) اور میرے گھرانے کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دئے۔ میری تیسری بہو بھی سعادت مند تھی' انہی کے رنگ میں رنگی گئی اور خاندان پر جو افتاد میرے لخت جگر' احمد کے جانے سے پڑی اس کا بوجھ سب سے بڑھ کر اسی نے اٹھایا ہے۔ اللہ سے زیادہ اس حقیقت سے کون واقف ہو گا کہ ان دو رشتوں کی بنیاد بھی دنیاوی رکھ رکھاؤ اور بھائی چارہ نہیں' دین کی چاہت تھی۔ اب میرے احاطہ میں شرعی پردے کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے تین خاندان چار ایسے گھروں میں مقیم ہیں جو بالکل الگ الگ ہوتے ہوئے بھی باہم دگر جڑے ہوئے ہیں... ایک میں چار اور چار میں ایک کی اچھوتی مثال۔ کسی نے دنیا میں جنت کے امن و سکون اور راحت کا نظارہ کرنا ہو تو صلائے عام ہے۔ اس باغ کی یہ بہار میرے بھائی کی مرہون منت ہے۔ اے اللہ میرے اس چمن کو اسی طرح آباد رکھیو اور مجھے اپنی جنت کے باغوں سے اس وجہ سے بے دخل نہ کیجیو کہ تو دنیا میں بہت سیر دیکھ آیا ہے۔ حق نہ کوئی رکھتا ہوں نہ کبھی جتا سکوں گا' رحم اور کرم اکا امیدوار ہوں۔ تو میرے ان پھولوں جیسے پوتے پوتیوں کی اپنے دادا ابا کے حق میں سفارش تو ضرور سنے گا جن کے معصوم دل و دماغ میں تو نے ہی اپنے فضل خاص سے خیر و شر کا امتیاز پیدا کرنے کا سامان کیا۔ ابھی چند دنوں پہلے انہی میں سے ایک' میری پانچ سال سے بھی کم عمر پوتی اور ڈاکٹر صاحب کی نواسی وردہ نے ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھے دیکھ کر میرے گلے میں اپنی ننھی بانہیں ڈالتے ہوئے ٹھنک کر کہا تھا۔ "دادا ابا آپ گانے سن رہے ہیں' اللہ میاں گناہ دے گا"۔ "چندا' تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"۔ "امی نے بتایا ہے' اللہ میاں گناہ دیتے ہیں"۔ "بیٹے گناہ سے ہوتا کیا ہے؟"۔ "دادا ابا' گناہ بری بات ہوتی ہے' اللہ میاں آگ میں ڈال دیتے ہیں!"۔ ڈاکٹر صاحب کا ایک اور نواسہ' میرا ساڑھے تین سالہ پوتا' عمر اپنی کسی بات کی تردید پر تلملا اٹھتا ہے۔ "دادا ابا میں سچ بولتا ہوں' جھوٹ نہیں کہتا..."۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی اولاد کی نو شادیاں قرآن اکیڈمی کے اپنے کوارٹر میں بیٹھ کر کیں۔ نکاح مسجد میں اور فرشی ولیمے قرآن اکیڈمی کی خانقاہ میں۔ ایسی ایک شادی دیکھ کر مشہور مسلم لیگی اور بزرگ صحافی جناب م ش نے نوائے وقت کے اپنے کالم میں اس کی تفصیل بیان کی اور حیرت کے اظہار کے ساتھ اپنے تاثرات قلم بند کرتے ہوئے عنوان جمایا کہ "ایک اونس عمل ایک ٹن وعظ سے بھاری ہوتا ہے"... کسی میں شریک ہو کر بڑے بڑے دنیادار سیٹھوں کی پلکیں بھیگ گئیں اور ان کے بیٹے میری بیٹی کے ایک نکاح میں شامل ہونے کے بعد جونیجو کابینہ کے ایک وفاقی وزیر عش عش کر اٹھے جو مجھ سے ذاتی تعلق کی بنا پر جمعہ کے لئے مسجد دارالسلام باغ جناح میں تشریف لا کر ایسا تماشا زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے تھے اور اگلے روز سادہ فرشی ولیمے کی دعوت میں جنہوں نے اپنے بڑے صاحب زادے کو اس معذرت کے ساتھ بھیجا کہ انہیں خود ایک سرکاری مصروفیت کے باعث اچانک اسلام آباد جانا پڑ گیا ہے۔

میرے ڈاکٹر بھائی کی بیٹیاں ذہانت و قابلیت میں کسی سے کم نہ تھیں' ہو بھی کیسے سکتی تھیں اور باپ بھی ایسا گیا گزرا نہ تھا کہ انہیں لاہور کالج فار ویمن میں تعلیم نہ دلا سکتا' فاطمہ جناح میڈیکل کالج میں داخلے کا انتظام نہ کر سکتا لیکن پہلی تین چار جماعتوں کے بعد کسی نے سکول کالج کا منہ نہ دیکھا بلکہ ایک دو تو اس "اعلیٰ تعلیم" سے بھی محروم رہ گئیں۔ وہ تعلیم نسواں کی ضرورت کے قائل ہیں۔ "تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر' خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں" اور کسے معلوم نہیں کہ ہمارے ہاں سکولوں کالجوں کا حال کیا ہے' ماضی قریب میں اسلام کا انقلابی تصور دینے والے ہمارے ایک قابل احترام بزرگ نے انگریز کے زمانے میں انہیں قتل گاہیں قرار دیا تھا۔ کیا حقیقت یہ نہیں کہ اس وقت ہمارے بچوں کا دین و اخلاق ان تعلیمی اداروں میں ذبح ہوتا تھا تو مادر پدر آزادی کے بعد اب وہاں ہماری قدروں کا جھٹکا کیا جاتا ہے۔ چار بچیوں نے اپنے طور پر پڑھ کر ایف۔ اے پاس کیا اور گھر بار کی ہو گئیں تاہم پانچویں کم سنی میں شادی ہو جانے کے باعث میٹرک سے بھی آگے نہ جا سکی۔ امتحانات کی مختصر تیاری کے لئے ان کے دادا کی عمر کے ایک قابل اعتماد دیندار استاد کا احسان مول لیا گیا جن کے سامنے گھر کے بیرونی کمرے میں یہ بچیاں پورا برقعہ اوڑھ کر بیٹھتیں جو آنکھوں کے سوا پورے جسم کا ساتر ہوتا۔ الحمدللہ کہ میری بھی پانچ ہی بچیاں اسی طرح "فارغ التحصیل" ہوئیں اور ہو رہی ہیں البتہ اس مشترکہ اہتمام کے خاتمے یعنی میری بچیوں کے کم عمری کی وجہ سے پیچھے رہ جانے کے بعد مجھے خاصا مہنگا انتظام کرنا پڑا۔ یہ کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین اساتذہ نے میرے گھر آ کر ماں کی زیر نگرانی بیٹیوں کو پڑھایا۔

میرے بھائی نے جس زمانے میں ایم بی بی ایس کیا' ان دنوں ڈاکٹری کی یہ ڈگری مال و دولت کے خزانے کا "کھل جا سم سم" تھی کیونکہ پورے ملک میں (اور منٹگمری' جال ساہیوال' میں تو اپنی آنکھوں دیکھا کہ) ایل ایس ایم ایف یعنی ڈپلومہ ہولڈر ڈاکٹروں کی کمائی بھی حساب کتاب میں نہ آتی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے تو سرکاری ملازمت کے اس بانڈ سے استثناء حاصل کیا جو ایم بی بی ایس کے ہر طالب علم سے حکومت ان دنوں داخلے کے وقت ہی لے لیتی تھی اور جس سے گلو خلاصی پانے میں سی آئی ڈی کے وہ روز ناچے بھی یقیناً کام آئے ہوں گے جن میں گزشتہ تین برسوں میں ان کی اسلامی جمعیت طلبہ اور جماعت اسلامی سے گرگرم وابستگی کا کچا چٹھا درج تھا' ایم بی بی ایس کا نتیجہ آتے ہی اسلامی جمعیت طلبہ کی رکنیت سے استعفاء دینے کے ساتھ جماعت اسلامی کو درخواست رکنیت پیش کرنے کی کارروائی وہ غالباً ایک ہی دن میں مکمل کر بھی چکے تھے۔ سرکاری نوکری کی پابندی سے آزادی حاصل کرنے کے بعد ان کی اولین ترجیح لاہور میں قیام تھا تاکہ جماعت کے اکابرین بالخصوص مولانا مودودی مرحوم و مغفور اور مولانا اصلاحی سے قرب رہے لیکن والد مرحوم کی علالت اور ان کی طرف سے منٹگمری میں قیام پر اصرار نے انہیں اس چھوٹے شہر کی طرف مراجعت پر مجبور کر دیا تاہم یہ بھی کوئی گھاٹے کا سودا نہ تھا کیونکہ وہاں اگر وہ جم کر پرائیویٹ پریکٹس کرتے تو ایک اچھے بھلے خوش حال شہر میں پہلے نہیں تو دوسرے ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہوتے۔

انہوں نے منٹگمری پہنچتے ہی جماعت اسلامی کے شعبہ خدمت خلق کے تحت چلنے والی ڈسپنسری میں بہت معمولی معاوضے پر صبح کے دو تین گھنٹے دینا طے کر لیا اور گھر میں شام کی پریکٹس کے لئے والدین کے سامنے شادی کی شرط داغ دی۔ "خیراتی شفاخانے کی بات اور ہے لیکن یہاں مجھے شرفاء کی جن خواتین کے نخرے سہنے پڑیں گے' ان کا علاج کر کے میں اپنے آپ کو کسی آزمائش میں ڈالنا منظور نہیں کر سکتا" ان کا اصرار تھا۔ چنانچہ دو تین ماہ کے اندر اندر ان کا گھر بسا

دیا گیا۔ مقامی مدرسہ بنات الاسلام سے مڈل پاس اور دورۂ ترجمہ قرآن سے فارغ ہماری بہن کی متوسط نوکری پیشہ گھرانے سے تعلق رکھنے والی ایک کلاس فیلو ان کی دلہن بنیں حالانکہ ان دنوں نئے نئے ڈاکٹر' لیڈی ڈاکٹر کے رشتے سے کم کسی بات پر سوچنے کو آمادہ نہ ہوتے تھے۔ یہ شرط پوری ہوگئی تو بڑے اہتمام سے پرائیویٹ کلینک اور لیبارٹری کو آراستہ کیا گیا اور نئے نئے شوق میں وہ کچھ دنوں اس میں باقاعدگی سے بیٹھے بھی۔ مجھے خود ہی ڈسپنسر کی ابتدائی تربیت دی اور ساتھ لگا لیا۔ بہت جلد پریکٹس چل نکلی اور مشہور ہو گیا کہ نئے ڈاکٹر کے ہاتھ میں شفاء ہے۔ ہن برسنے لگا اور خود میرے ہاتھ میں بھی صفائی آنے لگی لیکن یہ بہار چند روزہ ثابت ہوئی کیونکہ جماعت میں ان کی 'مصروفیت' قرآن مجید کے درس اور انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ دراز ہونے لگا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تو مریضوں کو قسمت سے ہی دستیاب ہوتے' البتہ میری ڈاکٹری چل گئی۔

مجھے اس وقت تو کوئی اندازہ نہ تھا بعد میں معلوم ہوا کہ جماعت میں اندر ہی اندر کھچڑی پک رہی تھی۔ ڈاکٹر بھائی نے منٹگمری آکر رکنیت حاصل کرنے کے بعد اندر کا جو حال دیکھا' اس سے ان کی بے چینی روز بروز بڑھنے لگی اور پھر ایک طرف تو اصلاح احوال میں شب و روز ان کا شغف جماعت میں انہیں ترقی کے زینے کی طرف لے جا رہا تھا کہ وہ حلقہ کی شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور پھر مقامی جماعت کے امیر بنا دیئے گئے لیکن دوسری طرف ان کا عدم اطمینان تھا کہ پاؤں کا چکر بن گیا۔ جماعت کے شفاخانے کی ملازمت بھی چھوڑ دی کہ اپنے ذاتی کلینک سے غیر حاضری تو گوارا تھی' شفاخانے کے معمولات کو وہ درہم برہم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پھر اوکاڑہ' لاہور اور لائل پور (موجودہ فیصل آباد) کے وہ سفر شروع ہوئے جن کا نقطہ عروج ماچھی گوٹھ کا اجتماع تھا اور یہ ساری کہانی خاصی معروف ہے۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ اس فکر میں انہیں مصلحتیں بھول گئی تھیں۔ گھر والوں کی بھی سب امیدیں خاک میں مل گئیں کہ ان کی ڈاکٹری سے روٹی بھی بمشکل چلتی' جس ٹھاٹھ باٹھ کا انتظار تھا اس کا سایہ بھی گھر پر نہ پڑ سکا۔

جماعت اسلامی سے مستعفی ہونے کے بعد ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ ٹک کر بیٹھتے اور اپنی دنیا بنانے کی فکر کرتے جیسے جماعت کو داغ مفارقت دینے والے دوسرے لوگوں نے کیا۔ ان میں سے اکثر نے اقامت دین کا یہ بوجھ سر سے اتار کر سکھ کا سانس لیا تھا' گویا رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت لیکن میرے بھائی پر اگلے کئی سال قیامت کے گزرے۔ انہیں کسی کل چین نہ آتا اور وہ ایک نئے سفر کے آغاز کا سامان بہم پہنچانے کے لئے راولپنڈی سے کراچی تک ہر اس دروازے پر دستک دیتے پھرے جہاں سے انہیں ادائیگی فرض کے اپنے اس جنوں پر داد کی توقع تھی لیکن کہیں سے حوصلہ افزا جواب نہ ملا تو آخر انہوں نے تن تنہا چل کھڑے ہونے کا فیصلہ کیا اور آج ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹا سا قافلہ ترتیب دے لیا ہے لیکن اس حقیقت کا ادراک کم لوگوں کو ہوگا کہ اس کی اوٹ میں پچیس برسوں کی کیسی محنت شاقہ کا پہاڑ اوجھل ہے... بالوں کو سفید کر دینے والی ذہنی مشقت' کمر توڑ دینے والی جسمانی سعی وجہد۔ اس کے دوران ان کا واحد سہارا قرآن مجید اور سیرت طیبہ سے والہانہ لگاؤ تھا جس نے انہیں گویا اپنا اسیر بنا لیا تھا' Possess کر لیا تھا۔ میرے ڈاکٹر بھائی نے سکون دل کی خاطر سہارا ڈھونڈنے کے لئے روایتی بزرگوں کی خدمت میں بھی حاضری دی' تبلیغی جماعت کے ساتھ بھی وقت گزارا لیکن وہ کہیں جہاں میں اماں ملی' جو اماں ملی تو کہاں ملی؟۔ اسی کتاب ہدایت کے سائے تلے جس کی عظمت کا احساس تب تک نہیں ہوتا جب تک بقول اقبال ضمیر پر اس کا نزول نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ اچھی تحریر وہ ہوتی ہے جس کی اٹھان زور دار ہو' درمیان میں بھی روانی برقرار رہے اور اختتام تک پہنچتے پہنچتے قاری محسوس کرنے لگے کہ پیغام اس نے وصول پا لیا ہے لیکن میں دوہری مشکل سے دوچار ہوں۔ لکھنے کا قرینہ تو آتا ہی نہیں' موضوع بھی ایسا لے بیٹھا ہوں جسے سمیٹنا بس میں نظر نہیں آتا۔ آپ کرم فرمائیں تو اسے ایک گھر والے کی گواہی سمجھ لیں جس میں زور کلام اور ربط باہم کو تلاش نہیں کیا جاتا' واقعات کی سچائی پر نظر رکھی جاتی ہے۔ ایک ایسی شخصیت پر لکھنا آسان تو نہیں جسے ایک دنیا جانتی پہچانتی ہو لیکن جسے ہر دیکھنے والے نے کسی خاص زاویئے سے ہی دیکھا ہو۔ میں نے اسے اندر باہر ہر طرف سے دیکھا لیکن اپنے عجز بیان کا کیا کروں!۔ کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے۔

میرے بھائی نے مواقع کی فراوانی کے باوجود انتہائی سادہ زندگی گزاری۔ سربرآوردہ اور سکہ بند صحافی مجیب الرحمٰن شامی نے "ندا" میں میرے ایک ادارتی نوٹ پر بدک کر مودبانہ انداز میں ان کے لئے تاہم یہ لکھے بغیر نہ رہ سکے کہ ڈاکٹر اسرار احمد کا رہن سہن سترہ گریڈ کے ایک سرکاری ملازم کے معیار سے بلند نہیں۔ وہ میرے بھائی کا یہ رہن سہن اور Life Style خود دیکھ چکے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایک ایسے سرکاری ملازم کا معیار زندگی تھا جو "اوپر کی آمدنی" سے بھی محروم ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ میرے بھائی کا حال اس سے بھی پتلا رہا۔ میں نے کتنی ہی خواہش رکھی اور لاکھ کوشش کی کہ ان کے اور میرے معیار زندگی کا فرق کم سے کم رہ جائے۔ انہوں نے میرا تعاون قبول بھی کیا اور محض اس بنا پر کیا کہ اپنی بے پناہ عملی کوتاہیوں کے باوصف میں ان کے نظریات اور کام سے سو فی صد اتفاق رکھتا تھا لیکن یہ فرق دور نہیں کیا جا سکا' شاید یہ ممکن ہی نہیں۔ ان کی ترجیحات میں دنیا کی آسائش کا نمبر بہت بعد میں آتا ہے۔ ان کے گھر سے آج تک بلیک، اینڈ وائٹ ٹیلی ویژن کا گزر بھی نہیں ہوا۔ جن دنوں اس چھوٹی سکرین پر "الہدیٰ" کے وسیلے سے ان کا سراج تھا' میں ان کے "ڈیرے" یعنی قرآن اکیڈمی کے باسیوں کو یہ پروگرام دکھانے کے لئے ہر ہفتے اپنا چھوٹا سیٹ کار میں رکھ کر لاتا رہا اور خواتین کے لئے یہ اہتمام کبھی ہو سکا' کبھی نہ ہوا۔

اکیڈمی کے جن کوارٹروں پر میں ان کی رہائش ہے' وہ منصوبہ بندی کا شاہکار ہیں۔ ان میں نہ گرمی کا آرام ہے نہ سردی کا۔ چھ کنال کے پلاٹ میں ایک پوری دنیا بسائی جائے تو نتیجہ اس سے بہتر کیا ہو سکتا تھا۔ کئی سال پہلے بلا کی گرمی اور شدید حبس میں انہوں نے باقاعدہ روزہ رکھنے کے ساتھ رمضان المبارک میں جو پوری رات قرآن مجید کے ساتھ بسر کرنے کا سلسلہ شروع کیا جو بحمد اللہ رواں ماہ مبارک میں بھی جاری ہے تو دیکھنے والوں کے پسینے چھوٹنے لگے۔ ساتھیوں نے بھی اصرار کیا کہ اپنے لئے دن کے آرام کی غرض سے ایک کمرے میں اے۔ سی لگوا لیجئے' میں بہت پہلے یہ درخواست کرتا آ رہا تھا لیکن دو سال انہوں نے پس و پیش میں گزار دیئے اور صحت کے ہاتھوں مجبور ہو کر بالآخر ہتھیار ڈالے تو اس شرط پر کہ یہ اضافی بوجھ انجمن خدام القرآن پر نہ ہو گا۔ چنانچہ ان کے گھر کا واحد ایئر کنڈیشنر میری ملکیت ہے اور اس کے لئے بجلی کا سب میٹر الگ سے لگایا گیا ہے تاکہ بل بھی مجھ سے ہی وصول کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ میرے بھائی کی یہ سب محنت' یہ سارا

ایثار اپنے دین کے لئے قبول فرمائے۔ انہوں نے اقامت دین کے لئے وہ مشکل لیکن مسنون و ماثور راستہ اختیار کیا ہے جو جاتا تو سیدھا منزل کی طرف ہے لیکن خارزار بھی ہے اور اس کے ذریعے منزل کو پا لینے کی امید دیوانے کے خواب سے بڑھ کر نہیں۔ یہی کیا کم ہے کہ وہ نشانات راہ کو متعین کر جائیں تاکہ پیچھے آنے والے سفر جاری رکھیں تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا وعدہ پورا ہو جائے گا اور یہ کام وہ بحمداللہ پوری استقامت سے کر رہے ہیں' دل و دماغ کی پوری یکسوئی کے ساتھ۔ ان کے بائیں ہاتھ پر دل و دماغ کی لکیر مشترک ہے' قلب و ذہن میں کوئی کشمکش نہیں پائی جاتی۔ دل کا فیصلہ دماغ قبول کر لیتا ہے اور دماغ کی بات کبھی دل نے رد نہیں کی اور نور علی نور یہ کہ دل و دماغ دونوں آسمانی ہدایت سے فیض یافتہ ہیں۔ ایں سعادت بزور بازو نیست' تانہ بخشد خدائے بخشندہ۔

میرے ماں جائے' میرے امیر محترم کی زندگی کا مقصد دین کی سرفرازی ہے لیکن دین تو اللہ کا ہے اور وہی وقت آنے پر اس کے غلبہ کا انتظام بھی کرے گا' ہاں میرے بھائی کو اس مزدوری کی اجرت میں اپنے رب کی خوشنودی اور نجات اخروی مل جائے تو فھو المراد۔ بونس میں اللہ تعالیٰ والد مرحوم سے بھی راضی ہو جائیں تو یہ توقع حضورؐ کے اس فرمان کی بنیاد پر ہے کہ صدقہ جاریہ کی اعلیٰ ترین شکل کسی مسلمان کے بیٹے کا قرآن کو سمجھنے اور اس کے پیغام کو عام کرنے میں زندگی کھپا دینا ہے۔ ہمارے شفیق والد زندگی بھر اپنے بچوں کے لئے محنت مشقت کرتے اور آخری عمر میں ذہنی و جسمانی عوارض کا عذاب سہتے دنیا سے گئے ہیں۔ انہوں نے اولاد کا سکھ پایا نہ اپنے کنبے کو پھلتے پھولتے دیکھا حالانکہ چند برس اور جیتے تو دنیا کی کس نعمت سے اور کیوں محروم رہتے۔ اللہ تعالیٰ دنیا کے آرام کی اس محرومی کو آخرت کی آسائش سے بدلنے پر قادر ہے' وہ یہ کرم ضرور فرمائے گا۔ یوں ڈاکٹر اسرار ہم سب بھائی بہنوں کے ان معنوں میں بھی محسن ہیں کہ والدین پر ہم سب کا قرض اتار دیں گے۔ انشاء اللہ۔ اور کیا باری تعالیٰ میرے اور میرے بچوں کے حق میں بھی ان کی سفارش قبول نہ فرمائے گا؟۔OO

چند یادگار تحریریں

خلافت کا عصا

اقتدار احمد مرحوم کی ایک فکر انگیز تحریر جو ان کے مخصوص اسلوب نگارش کی عکاس تو ہے ہی' اپنے فنی محاسن کے اعتبار سے بھی ایک نادر ادبی شہ پارہ ہے!

یہ کوئی کہاوت یا محض ضرب المثل نہیں' قرآن حکیم میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت سلیمانؑ جو صرف اللہ کے نبی نہیں' بلکہ جن و انس اور حیوانات و مظاہر فطرت پر بھی خداداد خصوصی قدرت اور منفرد شان رکھنے والے بادشاہ تھے ان کی مہلت عمر ختم ہونے کا وقت' اتفاق سے ایسے وقت آیا اور یہ وقت ہر شخص کی طرح ان کے لئے بھی معین تھا' جب وہ ایک زیر تعمیر عمارت پر کام کی نگرانی فرما رہے تھے۔ جنوں کی ایک جماعت مصروف کار تھی اور حضرت سلیمانؑ ایک عصائے چوبیں کے سہارے کھڑے تھے۔ ان کی روح اپنے رب کی جانب لوٹ چکی تھی لیکن جسد خاکی اسی عصا کے سہارے استادہ رہا۔ وقت گزرتا رہا اور جن' خواہی نخواہی' کام میں لگے رہے۔ یہاں تک کہ لکڑی کے عصا کو دیمک لگ گئی' سہارے نے جواب دے دیا اور نگرانی کرنے والے زبردست کا جسم زمیں بوس ہو گیا۔ زیردستوں نے جب یہ دیکھا تو سر پیٹ لیا' کہ وہ نجانے کب سے ایک بے روح جسد کی غلامی کا دم بھر رہے تھے' اب وہ آزاد تھے..... علامتی نگرانی کا طلسم ٹوٹ گیا تھا۔

اللہ کے آخری رسولؐ کی امت کو بھی اپنی بڑھتی ہوئی کمزوریوں اور روز افزوں لیکن ایک ڈھکنے تلے چھپے ہوئے انتشار و افتراق کے باوجود علامتی نگرانی کے لئے مرکزیت کا ایک ہیولا میسر تھا جو "خلافت" کے عصا کے سہارے کھڑا رہا یہاں تک کہ اپنوں کی ریشہ دوانیوں اور غیروں کی مربوط و پیہم سازشوں کی دیمک نے عصا کو چاٹ لیا' ڈھکنا اٹھ گیا اور نااتفاقی کے عفریت آزاد ہو گئے۔ یہ حادثہ گزرے تین چوتھائی صدی بیت چکی ہے۔ خلافت کے ادارے نے دم کیا توڑا' وحدت ملت کا رہا سہا بھرم بھی کھل گیا۔ دشمنوں نے امت کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ کر اپنے درمیان تقسیم کر لیا۔ وطنی قومیت کا نیا اور "دلوا نگیز" تصور دیا اور ان کے درمیان ایسی لکیریں کھینچ دیں جنہیں مٹانا اب کسی کے بس کی بات نہیں۔

اسلام کا دم بھرنے والے اب اس کرہ ارضی پر ایک ارب سے زیادہ ہیں' مسلمانوں کی عظیم اکثریت غیروں کے براہ راست تسلط سے آزاد ہو چکی ہے۔ دنیا کے نقشے پر رنگ بکھیرنے کو بظاہر آزاد و خود مختار حکومتوں کی تعداد پچاس سے بھی متجاوز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں مادی وسائل سے نوازنے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا لیکن اس کے باوصف یہ "ہجوم مومنین" "شکوہ ملک و دیں" سے ہی محروم نہیں' "بے وزنی" کی اس کیفیت سے بھی دوچار ہے جس کا تجربہ خلائی جہاز کے مسافروں کو ہوتا ہے۔ امت مسلمہ سیلاب کے پانی پر تیرتا جھاگ بن گئی ہے جو دیکھنے میں تو گہرائی بھی رکھتا ہے اور گیرائی بھی لیکن نہ اس میں اپنا کوئی وزن ہے اور نہ اپنی سمت متعین کرنے کا کچھ اختیار

خلافت کا احیاء تو اب شائد ممکن نہیں۔ یہ خیال ہی روشن دماغوں کو فرسودہ محسوس ہوتا ہے لیکن کیا دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے مسلمان "یو۔ این۔ او" جیسے کسی ادارے کی بھی تشکیل نہیں کر سکتے۔ وہ کسی ایسی وحدت سے منسلک ہو جائیں تو "ایک خدا' ایک رسول' ایک کتاب" کی بنیاد پر وہ بنیان مرصوص بن سکتے ہیں۔ یو۔ این۔ او کی برجوں والی فصیل سے کہیں زیادہ مضبوط۔ اگر ایسا ہو جائے..... اور کتنا فرحت بخش و حیات آفریں ہے یہ خیال کہ ایسا ہونا ممکن تو ہے..... تو نہ فلسطین کے مسلمانوں کو کوئی میلی نظر سے دیکھ سکے' نہ ہمارے کشمیری بھائی پنڈت کے غلام رہیں' نہ ایتھوپیا' اری ٹیریا اور تھائی لینڈ کے کلمہ گو ظلم و تشدد کا شکار ہوں' نہ عراق ایران جنگ شیطان کی آنت کی طرح کھنچتی چلی جائے اور نہ افغانستان کے مسئلے کا حل دشوار رہے۔ کاش اسلامی کانفرنس کی نام نہاد تنظیم ہی ایسے کسی ادارے کا متبادل بن سکتی۔ اس کے ہاتھوں تو عزت سادات جاتی نظر آتی ہے۔ جھوٹی شان و شوکت کے اظہار اور نیم دلانہ نشستند' گفتند' برخواستند کے سوا اس کا کوئی مقصد بھی ہے؟

آہ وہ تیر نیم کش' جس کا نہ ہو کوئی ہدف

مقصدی صحافت کا دور ختم ہوا

اب صحافت محض ایک "پروفیشن" ہے!

"کیا بھائی اقتدار احمد مرحوم کو "کہنہ مشق صحافی" کہنا درست ہو گا؟"

وہ ایک بے باک صحافی اور دانشور کی حیثیت سے ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے مقصدی و دینی صحافت کی علامت بن گئے

مرحوم اقتدار احمد کے دیرینہ رفیق اور بزرگ ساتھی شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کتاب ماضی کی ورق گردانی کرتے اور اپنے ذہن کے دریچوں کو کھولتے ہیں اور ان کی اس کاوش کے نتیجے میں اقتدار احمد مرحوم کی سچی تصویر ابھر آتی ہے!

"ندائے خلافت" کے اخباری ایڈیشن میں ایک تنظیمی ساتھی کی طرف سے بھائی اقتدار احمد مرحوم کی رحلت کے تعزیتی پیغام میں ان کو "ایک کہنہ مشق صحافی" قرار دینا اس عاجز کو "عجیب" سا لگا۔ یقیناً آپ حضرات کو اس بات کا ادراک ہو گا کہ قیام پاکستان سے متصلاً قبل سے صحافت ایک "پروفیشن" بن گئی تھی اور اب تو اس کے ایک مکمل "پروفیشن" ہونے میں کوئی شبہ ہی نہیں رہا ہے' چونکہ صحافت (جرنلزم) اب وکالت' انجینئرنگ' طب' آرٹ' درس و تدریس وغیرہ کی طرح یونیورسٹیوں کی ایک "ڈگری" بن چکی ہے اور جس طرح لوگ اپنے طبعی و فطری میلان و رجحان کے تحت اپنے پروفیشن کے طور پر ان میں سے کسی شعبے کو اختیار کرتے ہیں' اسی طرح صحافت کی لائن کا بھی انتخاب کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر نظر غائر سے جائزہ لیں گے تو موجودہ صحافت کی دنیا میں عظیم اکثریت آپ کو پروفیشنل صحافیوں ("پیشہ ور" میں نے دانستہ استعمال نہیں کیا) کی دکھائی دے گی --- کم و بیش یہی صورت حال اخبارات' رسائل و جرائد کی بن چکی ہے۔ اب یہ نہایت نفع بخش انڈسٹری ہے۔ جس میں چپڑی اور دو دو کے مصداق دولت کے ساتھ "شہرت" بھی ہے جو خود اپنی جگہ مالی طور پر بھی حصول منفعت کا ایک موثر ذریعہ ہے۔

بلاشبہ دونوں شعبوں میں مستثنیات ہیں اور ان شاء اللہ ہمیشہ رہیں گے۔ لیکن عرصہ ہوا کہ وہ زمانہ لد گیا جب قابل لحاظ تعداد میں لوگ درس و تدریس تعلم و تعلیم (معلمی) طبابت' انشاء (نظم و نثر نگاری) شاعری' خطابت اور "صحافت" حتیٰ کہ "سیاست" کے میدان میں محض پروفیشن یا شغل کے طور پر نہیں بلکہ اپنے شعور اور "شاکلہ" کے مطابق کسی اعلیٰ مقصد' کسی بلند آدرش کے حصول کی خاطر اپنی جولانی طبع کی آسودگی اور فکر و نظر کی تشنگی کی سیرابی کے لئے اترتے تھے -- اور کوشش کرتے تھے کہ ان کی مساعی سے قوم و ملت اور وطن کو فائدہ پہنچے۔ (راقم کو اس موقع پر اس سے بحث نہیں ہے کہ "مقصود و مطلوب" دینی ہوتا تھا یا لادینی) مثلاً جیسے مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا محمد علی جوہر' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی' مولانا ظفر علی خاں' علامہ ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم اور شاہنامہ اسلام والے حفیظ جالندھری' قائد اعظم محمد علی جناح' مہاتما گاندھی' پنڈت جواہر لعل نہرو' سوبھاش چندر بوس --- وغیرھم (بیسیوں نام ذہن میں آ رہے ہیں لیکن طوالت کے خوف سے نظر انداز کرنے پڑ رہے ہیں۔ راقم کے مدعا کی تفہیم کے لئے اتنے نام بھی بہت کافی ہیں)۔

اب اس عاجز نے اس سوال کو حل کرنا ہے کہ بھائی اقتدار مرحوم "کہنہ مشق صحافی" نہیں تھے کیا؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ دنیائے صحافت میں ہفت روزہ "ندا" بعدہ "ندائے خلافت" میں ان کے شائع شدہ رشحات قلم بشمول اداریے' شذرے' تنقیدیں' تبصرے اور سفرنامے انشاء و ادب کے اعتبار سے اعلیٰ نگارش کے حامل' اشعار' تلمیحات و تشبیہات کے برجستہ استعمال میں اعلیٰ ذوقی و ہنرمندی اور بے ساختگی کے مرقعے' طنز و مزاح کے لحاظ سے (جو ادب کی بڑی مشکل و نازک صنف ہے) اعلیٰ لطافت کے مظہر' دانش و بینش کے نقطہ نظر سے تطہیر افکار کے لئے سبق آموز اور سب سے بڑھ کر دینی' اخلاقی' سیاسی' قومی زاویہ زندگی سے داعیانہ "ندا" اور پکار اور پیغام سے معمور ہوتے تھے --- انہی محاسن کی بدولت مرحوم کہولت کی عمر (یعنی انچاس سال سے انسٹھ سال کی عمر یعنی دس برس کی مدت) میں ملک کے دینی و سیاسی حلقوں میں ایک بے باک صحافی اور دانشور کی حیثیت سے ابھرے اور دیکھتے ہی دیکھتے تعمیری' مقصدی و دینی صحافت کی علامت بن گئے تھے۔ ان کے منفرد اسلوب و طرز نگارش پر یگانے و بیگانے خراج داد و تحسین پیش کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ---

اس سوال کا جو جواب اس ناچیز کی سوچ میں وضاحت سے موجود ہے (جس کی قدرے توضیح ان شاء اللہ آگے بیان کرنے کی کوشش ہو گی) اس کا تذکرہ اجمالی طور پر زیر تبصرہ تعزیتی پیغام میں بایں الفاظ موجود ہے کہ "اقتدار احمد اسلام کے عظیم سپوت تھے جنہوں

نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اللہ کے دین کے غلبہ اور سربلندی کے لئے وقف کئے رکھیں" --- اور اسی طرف اشارہ ہے مکرم و محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد و امت فیوضہ کے ان دو جملوں میں جو "ندائے خلافت" کے زیر نظر شمارہ نمبر ۲۵ میں محض بطور "سرخی" درج کئے گئے ہیں کہ "اقتدار ہر معاملے میں میرے ساتھی اور مددگار تھے" نیز "وہ اللہ کے مقبول بندوں میں سے تھے"---

اس ناکارہ، عاجز اور قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ و حقیر طالب علم نے اپنے ناقص فہم و عقل کے مطابق اس حقیقت کو سمجھا ہے کہ کائنات کے خالق اور رب العالمین نے اس کارگاہ حیات میں جسے "دنیا" کہا جاتا ہے انسان کو بطور امتحان بھیجا ہے۔ ظاہر ہے کہ امتحان کچھ سکھا کر اور کچھ دے کر لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بغرض آزمائش و امتحان انسان کو جو کچھ فطری، طبعی، فکری اور ذہنی صلاحیتوں کے طور پر عنایت فرمایا ہے، ان کو بطور خاص "سماعت و بصارت اور فواد (قلب)" سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور ان کو مختلف پر تاثیر و دل نشین اسالیب و مستحکم استدلال سے اپنی کتاب مبین میں بیان و مبرہن فرمایا ہے۔ ظاہر ہے کہ سماعت، بصارت اور قلب (دل) سے تفکر، تدبر، تعقل اور استنباط کی وہ استعدادات اور وہ اوصاف مراد ہیں جن کی بدولت انسان کو خود شناسی اور خود شعوری کی نعمت حاصل ہوئی ہے جو اسے "حیوانات" سے ممیز و ممتاز کرتی ہے۔ کیفیت و کمیت کے ساتھ ان استعدادات، قابلیت، صلاحیت اور حاسہ (faculties) کے علاوہ انسان کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے بعثت انبیاء و رسل اور انزال کتب کا اہتمام بھی فرمایا۔ جن لوگوں تک انبیاء و رسل کی دعوت نہیں پہنچی تو ان سے ان کو عطا کی گئی وسعت ذہنی و فکری عملی استعداد، مواقع نیز ان کے "شاکلہ" کے مطابق محاسبہ ہو گا--- البتہ جن تک نبیوںؑ اور رسولوںؑ کی دعوت بھی پہنچ گئی، ان کا مواخذہ کڑا ہو گا۔

اب اس مقدمہ کی روشنی میں بھائی اقتدار مرحوم کی پوری زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالئے۔ وہ ایک مذہبی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے سب سے بڑے بھائی (اظہار احمد) تعلیمی اعتبار سے انجینئر اور فکری اور عملی لحاظ سے وقت کی اعلیٰ ترین دینی جماعت (جماعت اسلامی) سے وابستہ تھے۔ اور ان کے دوسرے بڑے بھائی (ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ) کے دل میں لڑکپن ہی میں ایک طرف ملت اسلامیہ کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا اور استعداد و استطاعت کے مطابق تحریک پاکستان میں عملی حصہ بھی تھا --- تو دوسری طرف زمانہ طالب علمی (میٹرک) کے دور ہی میں ان کے تحت الشعور میں ایک لفظی تصرف کے ساتھ حفیظ جالندھری کا یہ شعر نقش کالحجر بن رہا تھا کہ۔

کیا فردوسی مرحوم نے ایران کو زندہ
خدا توفیق دے تو میں کروں قرآن کو زندہ

(حفیظ کے اس شعر کے دوسرے مصرع میں لفظ "اسلام" استعمال ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے لفظی تصرف سے شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہو گئے) پھر قریباً گیارہ سال کی عمر میں حصار سے ہیڈ سلیمانکی تک بیس روز کے اکثر پیدل اور کبھی کبھار بیل گاڑی اور چھکڑے میں آگ اور خون کے دریا کے اندر سفر کرنے کے واقعہ نے اس معصوم کے قلب و ذہن پر کیا اثرات مرتب کئے ہوں گے! اس کا اندازہ ہر صاحب دل لگا سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ ان کا teen Age کا دور راقم کی ناقص معلومات کی حد تک کافی اضطرار و اضطراب میں گزرا ہے اور شاید اسی وجہ سے وہ اسکول کے ذریعہ میٹرک سے انٹر تک بڑی مشکل سے باقاعدہ تعلیم حاصل کر پائے۔ لیکن کچھ تو قدرت کی طرف سے ان کو قلب حساس اور جذباتی طبیعت ملی تھی، کچھ خاص حالات کے باعث اس میں اضافہ ہوا لہٰذا طبیعت کے بہلاوے کے شغل کے طور پر مطالعہ کی طرف میلان پیدا ہوا۔ اس کا اعلیٰ ذوق قسام ازل و ابد کی طرف سے پہلے ہی سے ودیعت کردہ تھا۔ فہم و ادراک کے ساتھ حافظہ بھی بلا کا تیز عطا ہوا تھا۔ چنانچہ جو کچھ پڑھتے رہے، وہ کسی کاوش کے بغیر ان کے تحت الشعور میں محفوظ ہوتا رہا۔ اسی دوران توفیق و تیسیر پر خداوندی سے اور اپنے دو بڑے بھائیوں میں سے بالخصوص ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی جماعت اسلامی کے حلقہ ہمدردان یا متفقین، پھر اسلامی جمعیت طلبہ اور بعدہ خود جماعت اسلامی سے والہانہ حد تک علمی و فکری تعلق اور وابستگی سے اثر پذیر ہوتے رہے۔ پھر وہ خداداد ذہانت و فطانت کے ساتھ صالح فطرت اور عقل سلیم کی نعمت سے بھی بہرہ مند تھے لہٰذا جماعت اسلامی کے فکر انگیز و انقلاب آفریں لٹریچر کے براہ راست مطالعہ نے ان کو مسخر کر لیا اور ان کو بھی تحریک کا ایک فعال کارکن بنا دیا۔ یہی جذبہ ان کو ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم کی خدمت میں کشاں کشاں لے گیا جو اکابر جماعت میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے اور ذاتی طور پر سہ روزہ "کوثر" نکالتے تھے۔ جسے ایک طرح جماعت کے نقیب کا مقام حاصل تھا--- اس صغر سنی کے جذبے، شوق اور صلاحیت کو دیکھ کر ملک صاحب مرحوم نے اس نوخیز نوجوان کو جس کی ابھی مسیں بھی شاید ہی بھیگی ہوں، کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اس طرح ان کی ذات میں ایک ادیب بلکہ مناسب لفظ "صحافی" کی جو خفتہ و مخفی صلاحیت و استعداد و دیعت شدہ موجود تھیں، محدود پیمانے پر ان کو ظہور کا موقع میسر آیا۔ اس عاجز کی معلومات کی حد تک یہ مدت سات آٹھ ماہ کے عرصہ تک محدود رہی۔ پھر یہ وابستگی نہ تو خالصتاً حصول معاش کے لئے، نہ ہی "مشق" کے لئے اور نہ ہی "فن صحافت کے کسب" کے لئے تھی بلکہ تحریک کی خدمت اور اس کے ساتھ تعاون کے جذبہ کے تحت تھی۔ لیکن قیام پاکستان کے قیام کے چند مہینوں بعد ہی سے جماعت اسلامی میں رفتہ رفتہ اور بتدریج (بلکہ شاید غیر شعوری و غیر محسوس طور پر) انتقال موقف کا عمل شروع ہو کر فروری ۵۷ء کے ماچھی گوٹھ کے سالانہ اجتماع میں اس انتہا تک پہنچ گیا کہ اس میں ارکان کی عظیم اکثریت نے جماعت اسلامی جیسی اسلامی و انقلابی تحریک کے لئے ملک کی انتخابی سیاست میں بھرپور حصہ لینے کے عمل کو مستقل پالیسی کے طور پر اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ ایک اصولی، انقلابی دینی جماعت سے نیچے گر کر ایک نیم دینی اور نیم سیاسی جماعت بن گئی۔ تو اس کے نتیجے میں جہاں چند اکابر اس غلط فیصلہ اور انحراف موقف کے باعث جماعت سے علیحدہ ہوئے، وہاں بہت سے اصاغر بھی مایوس اور دل برداشتہ ہو کر جماعت سے کنارہ کش ہو گئے۔ جن میں نوعمر (بیس سالہ) اقتدار احمد بھی شامل تھے۔

جب جماعتی سرگرمیوں سے فارغ ہوئے تو خداداد سیماب وش طبیعت و ذہانت کو اپنے ظہور کے لئے نئی جولان گاہ کی ضرورت تھی لہٰذا مزید تعلیم کے حصول کی طرف متوجہ ہوئے اور پرائیویٹ طور پر گریجوایشن (بی۔ اے) کیا۔ اسی دوران شادی بھی ہو گئی۔ اس ضمن میں اللہ کا کرم یہ ہوا کہ حبالہ نکاح میں وہ خاتون آئیں جو شاید ایک رکن جماعت کی دختر نیک اختر تھیں۔ فطرتاً نہایت صالح پھر دینی گھرانے کی تربیت یافتہ۔ لہٰذا موصوفہ حقیقی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی مصداق ثابت ہوئیں کہ "ایک بندۂ مومن کے لئے متاع دنیا میں سب سے اعلیٰ متاع ایک صالح بیوی ہے"۔ (اوکما

قال)۔ ان کی رفاقت بھائی اقتدار کے لئے اکسیر ثابت ہوئی۔ اسی کا اظہار و اعتراف مرحوم نے اپنی پہلی تصنیف "زبان یار من ترکی . . ." کے انتساب میں بایں الفاظ کیا ہے کہ "اپنی اہلیہ مریم کے نام---- جس کی رفاقت میسر نہ آئی ہوتی --- تو زندگی کا یہ کمزور سا دھارا نہ جانے کس سمت بہتا"---- اس پر نور علی نور کا معاملہ یہ ہوا کہ ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کی مسلسل صحبت اور تربیت بھی حاصل رہی جس کی بدولت منبع ایمان اور سرچشمہ یقین قرآن حکیم سے ان کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ چنانچہ "فرائض دینی کے جامع تصور" کی جو جوت شمع قلب کے نہاں خانہ میں جلی اور روشن ہوئی تھی وہ بجھنے نہیں پائی۔

اغلباً ۶۱۔۶۲ء میں ان کو اپنے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب مدظلہ کی طرف سے اپنے قائم کردہ تعمیرات کے ادارے میں اشتراک کی دعوت ملی تو انہوں نے اس کو قبول کیا اور اس شان سے کیا کہ اس شعبے کے تقاضے صحیح اور بھرپور طور پر پورے کرنے کے لئے پرائیویٹ طور پر سول انجینئرنگ کا ڈپلوما حاصل کیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک تجربہ کار اور ماہر فن کا مقام حاصل کر لیا۔ اور ثابت کر دیا کہ ان میں ایک اعلیٰ مہندس (انجینئر) بھی پوشیدہ تھا' جس میں اس شعبہ سے متعلق ہر مرحلہ کے لئے وسیع تر اور باریک بین نگاہ نیز اعلیٰ درجہ کی اہلیت بھی موجود تھی۔ مسابقت کا جو جذبہ ان کے اندر مستور تھا' اس نے اس طور پر ظہور کیا کہ ان تعمیری اداروں نے بہت جلد اس میدان میں شہرت' اعتماد اور نیک نامی حاصل کر لی۔ یہی وہ مشترکہ کاروبار تھا جس میں سن ۶۲ سے ۶۵ کے وسط تک ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ بھی شریک رہے تھے۔

جس طرح محترم ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہوا کہ موصوف اس شعر کے مصداق ہیں کہ :

گو میں رہا رہین ستم ہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

اسی طرح اقتدار احمد مرحوم کے دل میں بھی خدمت دینی کا جذبہ سرد ہونے نہ پایا---- محترم ڈاکٹر صاحب موصوف تو اس مشترکہ کاروبار سے بالکلیہ علیحدہ ہو کر ۶۵ کے اواخر میں اس عزم بالجزم کے ساتھ لاہور منتقل ہو گئے کہ دین کی طرف سے عائد شدہ اجتماعی ذمہ داریوں کا جو شعور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے انہیں حاصل ہوا ہے' ان کو ادا کرنے کے لئے وہ ہر ممکنہ کوشش کریں گے۔ موصوف کی جدوجہد کے ثمرات تو بفضلہ تعالیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن' قرآن اکیڈمی' قرآن کالج اور آڈیٹوریم لاہور اور اسی طرز پر ملک کے چند اہم شہروں میں انجمنوں کے قیام کی صورت میں مشہود و موجود ہیں۔ پھر ان کی امارت و سیادت میں ملک گیر پیمانے پر فریضہ اقامت دین کی جدوجہد کی ادائیگی کے لئے "تنظیم اسلامی" کا قافلہ رواں دواں ہے۔ اقتدار احمد مرحوم گو ہمہ تن و ہمہ وجوہ یعنی عملاً ابتدا میں تو ان کاموں میں شریک نہیں ہوئے البتہ ۷۱ء کے بعد سے مختلف انداز سے ان کا تعاون حاصل رہا' جیسے مرکزی انجمن کے موسسین میں ان کا نام شامل ہے۔ (مرحوم کے مختلف تعاون کی قدرے تفصیل ڈاکٹر صاحب موصوف کی کتاب "حساب کم و بیش" میں دیکھی جا سکتی ہے جس کے متعلقہ حصے زیر نظر شمارے میں بھی شامل ہیں)

البتہ جب مرحوم نے تنظیم اسلامی کی رفاقت اختیار کرنے کا فیصلہ کیا' جس کی دعوت' جس کے اصول و مبادی اور جس کے خصائص اور طریق کار اس کی تاسیس کے وقت سے ان پر واضح اور عیاں تھے تو تنظیم میں اس شان سے بذریعہ بیعت شمولیت کی کہ اس عاجز کو سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس ارشاد گرامی کی ایک جھلک چشم سر سے نظر آئی کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ "تم دیکھو گے کہ بہت سے بعد میں آنے والے پہلے آنے والوں کو پیچھے چھوڑ دیں گے"۔

اس عاجز کی تجربہ اور غور و فکر پر مبنی یہ رائے ہے (جو غلط بھی ہو سکتی ہے) کہ تنظیم اسلامی کے رفقاء میں ایسے رفقاء کی تعداد تناسب کے لحاظ سے کم ہے جنہوں نے بیعت کے مفہوم کو پوری طرح یعنی الفاظ اور روح (Letters and Spirit) کے ساتھ سمجھا ہے۔ پھر ان رفقاء کی تعداد تو اور بھی کم ہے جن کو اس "بیعت" کے عملی تقاضوں کا شعور اور ادراک حاصل ہے اور جن میں ان کو ادا کرنے کا داعیہ اور جذبہ عملی صورت میں موجود ہے۔ اس ناچیز کے نزدیک ان اعتبارات سے بھائی اقتدار احمد مرحوم تنظیم اسلامی میں ایک ممتاز اور قابل رشک مقام رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی نگاہ جوہر شناس میں بیبات غالباً پہلے سے موجود تھی کہ میرے اس بھائی میں لکھنے کی اچھی خاصی صلاحیت موجود ہے' اگر ان کو موقع ملے تو اس میدان میں وہ تنظیم کی دعوت کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہوں گے۔ چنانچہ مرحوم کو "ماہنامہ میثاق" کی مجلس ادارت میں شامل کر کے اس کا اداریہ (عرض احوال) لکھنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی گئی۔ مرحوم کو بھی اپنی اس مخفی اور خفتہ اہلیت و قابلیت کا شعور حاصل ہو گیا اور اس میدان میں آگے بڑھنے کا جذبہ صادق بھی پورے جوش و ہوش کے ساتھ پیدا ہو گیا۔ ان کی سیماب وش اور متحرک و فعال شخصیت چند کلیوں پر قناعت کرنے والی نہیں تھی۔ جلد ہی ان کو تنگی داماں کا شدت سے احساس ہوا اور مسابقت کا جو خداداد عطیہ اور جذبہ ان کو مرحمت ہوا تھا اس نے مرحوم کو ان فرمودات ربانی کی طرف شعوری طور پر راغب و متوجہ کر دیا تھا کہ جن کا حاصل یہ ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا امیدوار بننا چاہتے ہو تو امکان کی حد تک داعی الی الخیر بنو اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر' حفاظت حدود اللہ کا فریضہ سرانجام دینے کے لئے اقامت دین کی تحریک میں شامل ہو کر ایک رضاکار و فدا کار سپاہی بن جانے کی جدوجہد کرو۔ یہ سب کام زبان سے کرو' قلم سے کرو' عمل سے کرو: وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون○ اسی جذبہ نے ہفت روزہ "ندا" کے اجراء کی صورت میں ظہور کیا' جس نے مختصر عرصہ میں مہر درخشاں کی صورت اختیار کر لی --- اور دعوت و تبلیغ دین کو ادب کی زبان مل گئی اور مرحوم کی نگارشات آورد اور تصنع سے مبرا' آمد اور قلبی واردات کا حسین مرقع بن گئیں۔ (اس موقع پر اس بات کا تذکرہ بالکل برمحل ہو گا کہ "ندا" کی اشاعت کے جملہ اخراجات مرحوم نے خود برداشت کئے) ان تمام اعتبارات سے بھائی اقتدار احمد مرحوم کی دائمی جدائی تنظیم اسلامی کے لئے نہایت عظیم نقصان ہے۔

اپنی کتاب مبین قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس اٹل سنت (دستور و ضابطے) کو بیان فرمایا ہے کہ جو بھی قلب سلیم اور انابت کے ساتھ اس کی طرف رجوع کرتا ہے' رب کریم اس کے لئے راہ ہدایت کھول دیتا ہے: ویھدی الیہ من ینیب--- اور والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا-- اسی سنت کا ظہور ہوا خلفائے راشدین و مہدیین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صورت میں کہ عرب کے امی اور بدو حکومت' سیاست' انتظام' عدل و قسط اور جہاں بانی کی بے نظیر مثال و اسوہ بن گئے۔ اسی کا نمونہ ملتا ہے بے شمار صحابہ کرام بالخصوص سیف اللہ' خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگی میں جو ایک بے مثال جرنیل سپہ سالار کی حیثیت سے تاریخ

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

ملت اسلامیہ کا اصل المیہ !

دنیا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زائد انسانوں پر مشتمل ملت اسلامیہ جسے کفر کی ملت واحدہ کے مقابلے میں جسد واحد ہونا چاہئے تھا' نہ صرف ٹکڑوں اور ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی ہے بلکہ باہم دگر آویزش کے باعث نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ کا شکار بھی ہے۔ حال کی تاریخ میں مجاہدین افغانستان نے اگر ایک روشن باب کا اضافہ کیا تو پڑوس میں ہی تقریباً اتنے ہی عرصے جاری ایران عراق جنگ ایک متوازی تاریک باب رقم کر رہی ہے اور دونوں کا مستقبل شکوک و شبہات کی بے یقینی میں جیسے دھندلایا ہوا سا ہے' وہ الگ۔ قبلہ اول کو اغیار کے غاصبانہ قبضے میں گئے اکیس (۲۱) سال سے زائد کا عرصہ ہو گیا ہے اور اس کی بازیافت کی کوئی امید بر نہیں آتی۔ فلسطینیوں کو غلامی اور غریب الوطنی کا داغ اٹھاتے چالیس سال ہونے کو آتے ہیں اور ان پر افتاد بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے' کمی کے کوئی آثار نہیں۔ چالیس لاکھ کشمیری مسلمانوں کو آزادی و خود مختاری دلاتے دلاتے ہم نے ان کے طوق غلامی کو بھاری ہی نہیں کروا ڈالا' اس مملکت خداداد کو بھی دولخت کرا بیٹھے جسے دنیا کی سب سے بڑی اقلیم مسلم ہونے کا اعزاز اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا نقطہ آغاز ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی اس کثیر تعداد کا بہت بڑا حصہ بظاہر آزاد و خود مختار اور ذرائع و وسائل سے مالا مال ہے لیکن کفر و الحاد کی علم بردار قوتوں کی فکری' علمی اور تہذیبی غلامی کا جوابدستور اس کی گردن پر رکھا نظر آتا ہے۔

ان دنوں کوئی ایسی نئی بات تو نہیں ہوئی جو ہمیں اس رونے کو لے بیٹھنے پر مجبور کرتی تاہم اتفاق سے ۲۱ اپریل کا دن جو ملت کے حدی خواں علامہ اقبالؒ کی یاد تازہ کر دیتا ہے' رمضان المبارک میں آیا اور دونوں کا تعلق کتاب ہدایت یعنی قرآن حکیم سے بہت گہرا ہے۔ ادھر فکر اقبال کے مجاوروں نے حسب دستور عرس منایا اور ان کے فکر کے حوالے سے ملائیت اور تصوف کے لتے تو لئے لیکن یہ نہ بتایا کہ ان کے پیغام کا خلاصہ یہ تھا کہ۔

خوار از مہجوری قرآن شدی
شکوہ سنج گردش دوراں شدی
اے چو شبنم بر زمیں افتادہ ای
در بغل داری کتاب زندہ ای

یعنی اے امت مسلمہ تو قرآن سے دوری کے باعث ذلیل و خوار ہو رہی ہے۔ تیرا گردش زمانہ سے شکوہ بجا نہیں۔ تجھے تو شبنم کی طرح زمین پر گرا پڑا نہیں ہونا چاہئے تھا جبکہ ایک زندہ و پائندہ کتاب تیری بغل میں ہے۔ اور ادھر رمضان المبارک میں قرآن حکیم کا پڑھنا اور سننا تو گلی گلی ہو رہا ہے لیکن محض ثواب کی خاطر۔ اس سے روشنی اور رہنمائی کی طلب اور امید رکھنے والے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔

یہ نعرہ کہ ملت اسلامیہ کی اساس ایک اللہ' ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر ہے' سب کانوں کو آشنا لگتا ہے لیکن کتنے ہیں جو اس کے مضمرات پر غور کرنے کی زحمت بھی اٹھاتے ہوں۔ توحید الٰہی تو ملت اسلامیہ ہی کی نہیں وحدت انسانیت کی بھی بنیاد ہے اور پھر ان دیکھے خدا کو ماننے والوں کی اقوام غیر میں بھی کمی نہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنا مشن مکمل کر کے' انسانیت کو جنت ارضی کا ایک نمونہ دکھا کے' پیچھے آنے والوں کے لئے اپنے نقوش پا چھوڑ کر اور نبوت و رسالت کا دروازہ بند کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ ہاں ایک کتاب وہ چھوڑ گئے ہیں اور وضاحت فرما کے گئے ہیں کہ اس کی شکل میں تمہارے لئے میں حبل اللہ المتین' اللہ کی ایک مضبوط رسی چھوڑے جا رہا ہوں' اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو فلاح پاؤ گے ورنہ اسلام اور مجھ سے نسبت تمہارے کسی کام نہ آئے گی۔ اللہ کی وہ مضبوط رسی قبول صورت لکھائی چھپائی میں اور خوش شکل جلدوں میں ہر مسلمان گھرانے میں موجود ہے لیکن افسوس کہ ملت اسلامیہ کی اصل' محسوس اور موجود اساس ہی کو ہم چھوڑ بیٹھے اور متبادل اساسات کی تلاش میں اندھوں کی طرح ٹامک ٹوئیے مار رہے ہیں۔ ہمارا ماضی اور بزرگوں کا ورثہ شاندار ہے اور دشمن بھی اس کی عظمت کے قائل ہیں لیکن اپنا حال اور اپنی کمائی ناگفتہ بہ۔ وجہ اس تغیر حال کی واحد ہے۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن سے دوری اور مہجوری ہی ملت اسلامیہ کا اصل المیہ ہے۔ دنیا بھر میں مسلمانوں کے زعماء' مفکرین اور دانشوروں نے اتحاد و تقویت ملت کے سینکڑوں ٹونے ٹوٹکے آزما کے دیکھ لئے ہیں۔ قومیت' وطنیت' نسل' زبان' مادی وسائل' ترقی کے زینے' رابطے' کانفرنسیں' جمہوریت' اشتراکیت غرض کون سا حربہ ہے جو استعمال نہیں ہو چکا لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ نیم حکیموں کے نسخوں اور پیروں فقیروں کی جھاڑ پھونک سے یہاں کچھ حاصل نہ ہو گا کیونکہ ع

علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

مسلم ممالک میں جن لوگوں کے ہاتھوں میں زمام کار ہے وہ اور تو سب کچھ کرنے کو تیار ہیں کوئی بات نہیں منظور تو وہ رجوع الی القرآن ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ نہ لیا جائے کہ انہیں "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" ہی سے کد ہے۔ وہ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں تو پھر تفرقہ کیسا۔ یہ رسی تو انہیں یک جان کر دے گی' بنیان مرصوص بنا دے گی۔ افسوس کہ انہیں در در بھیک مانگنا بھلا لگتا ہے' اگر حجاب آتا ہے تو ایک ہی دروازے پر جس پر دھرنا مار بیٹھیں تو بے طلب بھی ملے گا اور اغیار کے آگے دریوزہ گری سے گلو خلاصی الگ۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی انقلابی دعوت ان کے ذاتی مفادات کو گالی کی طرح لگتی ہے۔

دنیا بھر میں جہاں جہاں احیائے اسلام کی بات ہو رہی ہے وہاں بھی بات تب ہی بنے گی جب دعوت و اصلاح کا ذریعہ اور انقلاب کا آلہ قرآن ہو گا۔ اسی سے وہ رنگ ملے گا' صبغت اللہ' جو ہر گورے کالے کو یک رنگ کر دے اور اسی کی زبان وہ ذریعہ ابلاغ ہے جس سے نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کاشغر سب ایک ہی بولی بولنا شروع کر دیں گے۔

بتان رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی' نہ ایرانی' نہ افغانی

آیئے رجوع الی القرآن کا آوازہ بلند کریں۔ اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور اسی کو اپنا لائحہ عمل بنائیں۔ یہی ہمارا امام ہے' یہی نور ہدایت' یہی رحمت الٰہی اور یہی دلیل و حجت۔ اسی کی طرف بلانے میں وہ لکیریں بھی ہمارے درمیان حائل نہیں جنہیں جدید پولیٹکل سائنس میں ملکی سرحدیں کہا جاتا ہے۔ اے اللہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرما۔ ○○

(ماخوذ از ہفت روزہ "ندا" ۳ مئی ۱۹۸۸ء)

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ان کی صحافیانہ خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا

مدیر "ندائے خلافت" کو اہل علم و دانش اور ارباب صحافت کا خراج تحسین

اقتدار احمد' ایک سچے اور کھرے انسان

عبدالکریم عابد

روزنامہ "جسارت" کے سابق مدیر اور سینئر صحافی' جن کی "ندا" اور "ندائے خلافت" کے ساتھ قلمی رفاقت طویل ترین رہی

سید اقتدار احمد سے میرا تعارف بہت بعد میں ہوا حالانکہ یہ بہت پہلے ہو جانا چاہئے تھا۔ تاہم جب ہم ایک دوسرے سے پہلی بار ملے تو ایسا لگتا تھا کہ برسوں کے شناسا ہیں کیونکہ ان کے اور میرے درمیان کافی کچھ قدر مشترک تھا۔ ابتدا میں ذہنی ہم آہنگی محسوس ہوئی لیکن بعد میں ایک قلبی تعلق استوار ہو گیا جو روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ اقتدار احمد صاحب سے رفاقت کا رشتہ "ندا" نے قائم کیا' اور مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس معیار اور سلیقہ کا ہفت روزہ نکال سکتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف مجھے بلکہ تمام اہل صحافت کو حیران کر دیا۔ سیاستان بھی "ندا" سے بہت متاثر ہوئے۔ نواب زادہ نصراللہ نے ایک بار مجھ سے کہا کہ سالہا سال کے بعد ایک معیاری ہفت روزہ دیکھنے میں آیا ہے جس میں کسی طرح کی ناشائستگی نہیں' بہتان تراشی نہیں' فکر و نظر کی سطحیت نہیں اور کسی کی بے جا مخالفت یا حمایت نہیں اور جس کے مضامین میں فکری بلندی اور گہرائی نظر آتی ہے۔ بے نظیر صاحبہ نے اپنی وزارت عظمیٰ کے پہلے دور میں محکمہ اطلاعات کے اعلیٰ افسروں سے کہا کہ تم لوگ تو اندھے ہو' تم کو کچھ نظر ہی نہیں آتا' "ندا" جیسا پرچہ اس ملک میں نکل رہا ہے اور تم نے اس بارے میں مجھے بتایا تک نہیں! انہوں نے سرور سکھیرا سے جو اس وقت موصوفہ کے مشیر تھے' کہا کہ تم جا کر مدیر ندا سے ملاقات کرو اور معلوم کرو کہ ہم ان کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔ سرور سکھیرا ندا کے دفتر میں آئے اور وزیر اعظم کا پیغام پہنچایا۔ ان کا خیال تھا کہ وزیر اعظم کا پیغام سن کی اقتدار صاحب اچھل پڑیں گے لیکن اقتدار صاحب نے پرشکوہ انداز میں کہا کہ دیکھئے صاحب بات صاف ہے' اگر "ندا" میں کہیں کسی معاملے میں آپ کی حمایت ہو گئی ہے یا دوسرے فریق کے خلاف کچھ آ گیا ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم بے نظیر صاحبہ کو پسند کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں وہ پسند نہیں اور ان کی پالیسیاں بھی ہمارے نقطہ نظر سے سراسر غلط ہیں' اس لئے آپ بھی سمجھ لیں اور وزیر اعظم صاحبہ کو بھی سمجھا دیں کہ ہمارا شمار اپنے حامیوں' دوستوں میں نہ کریں' ہم آپ کے مخالف ہیں اور مخالف رہیں گے۔ جہاں تک اشتہارات کا تعلق ہے اس کی بھیک ہم نے اب سے پہلے مانگی ہے نہ اب مانگ رہے ہیں۔ آپ کا معاملہ ہے آپ جانیں۔ تو جب تک نقصان سہنے کی ہمت ہے اخبار نکالتے رہیں گے' اور جب سہ نہیں سکیں گے تو بند کر دیں گے' لیکن ہمارا ضمیر مطمئن ہو گا کہ صحافتی محاذ پر ہم نے کلمہ حق کہنے کے سلسلہ میں اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ بے چارہ سرور سکھیرا حیران پریشان دفتر سے رخصت ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وزیر اعظم سے جا کر کیا کہے!

بے نظیر صاحبہ اور پیپلز پارٹی کا مخالف ہونے کے باوجود اقتدار صاحب اس مخالفت میں اندھے نہیں تھے اور نہ وہ کبھی اس طرز فکر کا شکار رہے کہ برائی کی جڑ پیپلز پارٹی یا بھٹو یا بے نظیر ہے۔ ان کے نزدیک ملک یا معاشرہ کے بگاڑ کی ایک صورت پیپلز پارٹی تھی لیکن اس بگاڑ کا مظہر مسلم لیگ اور دوسری جماعتیں بھی تھیں۔ وہ خصوصیت سے پیپلز پارٹی کے خلاف کوئی کد نہیں رکھتے تھے۔ وہ تعصبات کی بنا پر حب اور بغض سے پاک تھے' اس لئے جہاں بے نظیر صاحبہ کے مخالف تھے وہاں نواز شریف کے لئے بھی ان کے دل میں کوئی نرم گوشہ یا کوئی غلط فہمی نہیں تھی نہ وہ برائی کو بڑی برائی اور چھوٹی برائی میں تقسیم کر کے کسی ایک برائی کے مخالف اور دوسری برائی کے حامی ہونے کا راستہ نکالنا پسند کرتے تھے۔ اقتدار صاحب کاروباری آدمی تھے۔ کاروباری لوگوں کے مفادات ہوتے ہیں اور اقتدار صاحب نے اپنا کاروبار بہت محنت سے استوار کیا تھا۔ کسی زمانے میں وہ "نسیم" اخبار کے عملہ ادارت میں معمولی ملازم تھے۔ ایک ملازم کا ایک بڑی کمپنی قائم کرنا محنت کے بغیر ممکن نہیں تھا اور محنت ہی نہیں' دیانت بھی ان کے کاروبار کا اصول تھا۔ انہوں نے اپنے کاروبار کو سود کی آلائش سے پاک رکھا۔ سرکاری ٹھیکوں اور انکم ٹیکس کے نقصانات برداشت کئے مگر رشوت نہیں دی۔ اس محنت اور دیانت سے جو کاروبار انہوں نے قائم کیا۔ اسے وہ ضیاء دور میں چار چاند لگا سکتے تھے۔ ہر طرح کے "اسلام پسندوں" نے ضیاء حکومت کے موقع سے خوب خوب فائدہ اٹھایا مگر اقتدار صاحب نے ہمیشہ ضیاء صاحب کی غلط بات کو غلط کہا اور ان کے ذریعے کاروباری مفاد حاصل کرنا پسند

نہیں کیا۔ کئی بار ضیاء دور میں کاروباری نقصان بھی خاموشی سے برداشت کر گئے۔

اقتدار صاحب نے مغرب و مشرق کے ممالک دیکھے تھے۔ عالم اسلام کو بھی دیکھا بھالا تھا اور ملوک و شیوخ کی حکمرانی کے مفاسد سے بہت اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہیں اس پر افسوس ہوتا کہ ان نام نہاد اسلامی حکومتوں پر اسلام کا لیبل لگا کر دنیا میں اسلام کو بدنام کیا گیا' جبکہ یہ حکومتیں اسلامی حکومتیں نہیں جاہلی حکومتیں ہیں اور ان کی جاہلیت مغربی حکومتوں سے زیادہ سزا اور عذاب کی مستوجب ہے۔ اقتدار صاحب دنیا کے مسلمان معاشروں کا سفر تباہی کی جانب محسوس کرتے تھے اور کسی لاگ ولپٹ کے بغیر اس حقیقت کا اظہار کرتے تھے' مگر وہ یہ امید بھی رکھتے تھے کہ مردان خدا ضرور نمودار ہونگے جو صورتحال کو تبدیل کر سکیں گے۔ پاکستان کی جماعت اسلامی سے تو وہ بددل اور مایوس تھے لیکن عرب دنیا کی اسلامی تحریکوں میں انہیں جان نظر آتی تھی اور ان تحریکوں کے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے تھے۔

اقتدار صاحب نے دولت کی نعمت حاصل کی لیکن دنیا پا کر وہ دین کو بھول نہیں گئے بلکہ دین کے معاملے میں وہ زیادہ پکے ہو گئے۔ ان کے گھرانے میں شریعت کی سخت پابندی تھی' خاص طور پر عورتوں کے پردہ پر بڑا زور تھا۔ اخلاق سوز فلموں کا ان کے گھر میں گزر نہیں ہوتا تھا۔ انہوں نے اپنے بچوں کی تربیت بھی اس انداز سے کی کہ وہ دین و دنیا ہر اعتبار سے کامیاب ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد کا ان کے دل میں صرف برادر بزرگ ہونے کے ناتے نہیں بلکہ ایک دینی رہنما اور اپنا مرشد خاص ہونے کی حیثیت سے احترام تھا اور اس احترام کے ساتھ وہ بہت محبت سے ان کا تذکرہ کرتے تھے اور ڈاکٹر صاحب کے حقیقی معاون تھے۔

ان کی طبیعت میں بددیانتی اور بے اصولی کے خلاف غصہ تھا لیکن وہ لوگوں کو معاف کرنا بھی جانتے تھے۔ اپنے ضرورت مند دوستوں کی خاموشی سے مدد کرتے رہتے تھے اور کبھی اس کا تذکرہ زبان پر نہیں لاتے تھے۔ آخر وقت تک وہ قومی اور بین الاقوامی حالات جاننے کے شوقین رہے اور انتقال سے دو چار روز پہلے تک مجھ سے کرید کرید کر مختلف حالات دریافت کرتے رہے۔ ان سے بات چیت میں مجھے اور مجھ سے بات چیت میں انہیں خاص لطف آتا تھا۔ افسوس کہ یہ محفل اب اجڑ گئی ہے' مگر اقتدار صاحب کی یاد کبھی دل سے محو نہیں ہو سکے گی۔ ○○

ایک ہشاش بشاش اور مطمئن چہرہ

عطاء الحق قاسمی

معروف مزاح نگار' شاعر اور صحافی جن کا قلم ایک عرصے تک "چشم تماشا" کے عنوان سے ندا کے صفحات پر شگفتگی بکھیرتا رہا

تقریباً ایک ماہ پیشتر مجھے بھائی اقتدار احمد کا فون آیا' اس روز ان کی آواز میں وہ کرارا پن نہیں تھا جس کا لطف میں دوران گفتگو لیا کرتا تھا۔ میں نے ان کی نقاہت کی وجہ پوچھی تو بولے "کچھ عرصہ پہلے میری ریڑھ کی ہڈی کا ایک مہرہ بیٹھ گیا تھا' اس کے بعد دوسرا بھی بیٹھ گیا' ڈاکٹروں کو بیماری کی اصل وجہ سمجھ نہیں آ رہی جبکہ میرے اعصاب آہستہ آہستہ جواب دیتے جا رہے ہیں چلنے پھرنے سے بھی تقریباً معذور ہو گیا ہوں حتیٰ کہ لکھنے بیٹھوں تو ہاتھ میں قلم بھی زیادہ دیر نہیں پکڑا جاتا"۔ پر کہنے لگے یہ تو چلتا رہتا ہے میں نے اس وقت آپ کو یہ بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ سفرنامہ ترکی "زبان یار من ترکی" شائع ہو گیا ہے۔ میں نے چونکہ یہ سفرنامہ آپ کے اصرار پر مکمل کیا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس کی ایک کاپی آپ کو خود آ کر پیش کروں۔ آپ کس وقت گھر پر مل سکتے ہیں"۔ یہ سن کر میں نے کہا "اقتدار بھائی آپ نے جو اپنی کیفیت بتائی ہے اس کے پیش نظر آپ بالکل زحمت نہ کریں میں صبح کوئٹہ جا رہا ہوں اور پھر واپس لاہور آ کر مجھے بیرون ملک جانا ہے وہاں سے واپسی پر میں آپ کی عیادت کے لئے آؤں گا اور کتاب بھی دستی وصول کر لوں گا"۔ اقتدار احمد نے مجھ سے اتفاق کیا اور جب میں سفر سے لوٹا تو اقتدار کے دیرینہ دوست معزالدین نے فون پر اطلاع دی کہ آج صبح تین بجے اقتدار کا انتقال ہو گیا ہے اور نماز جنازہ عصر کے بعد ادا کی جائے گی۔

تمام اخباروں میں ان کے انتقال کی خبر شائع نہ ہو سکی کیونکہ اس وقت اخبارات کی آخری کاپی بھی پریس کی جا چکی تھی لیکن شدید گرمی اور وسیع پیمانے پر اطلاع نہ ہونے کے باوجود ہزار ہا لوگ نماز جنازہ میں شریک تھے۔ نماز جنازہ مرحوم کے بڑے بھائی اور تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے پڑھائی۔ میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ ڈاکٹر اسرار احمد کے لئے یہ صدمہ صرف ایک عزیز بھائی کی وفات کا صدمہ نہیں تھا بلکہ اقتدار احمد صحیح معنوں میں ان کے دست و بازو تھے اور یوں ان کے لئے یہ صدمہ دہرا تھا۔ میں زندگی میں پہلی دفعہ ڈاکٹر اسرار احمد کی قوت ایمانی سے پوری طرح متاثر ہوا۔ اتنے شدید صدمے سے دوچار ہونے کے باوجود وہ مکمل طور پر راضی برضا نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے نماز جنازہ پڑھائی اور نماز سے پہلے مختصر سی تقریر بھی کی' ان کی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی۔ دوسرے روز وہ پورے صبر استقامت اور حوصلے کے ساتھ قرآن کالج میں لیکچر دے رہے تھے اور تنظیمی کاموں میں منہمک تھے۔ انسان کو یہ حوصلہ اسی صورت میں میسر آتا ہے جب اس کے سامنے زندگی کا کوئی واضح مقصد اور نصب العین ہو!

اقتدار احمد سے میری پہلی ملاقات چند برس پیشتر برادرم محبوب سبحانی کی معرفت ہوئی جب انہوں نے ہفت روزہ "ندا" کا اجرا کیا۔ "ندا" میرے نام جاری ہوا تو مجھے اس میں اقتدار احمد کی تحریریں پڑھنے کو ملیں' میں حیران رہ گیا۔ ایک "مولوی ٹائپ" آدمی کیسی جدید اور ادبی نثر لکھ رہا ہے؟ یہ پرچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیم اسلامی کا ترجمان تھا چنانچہ اس کے بیشتر مضامین میں تنظیم کا نقطہ نظر جھلکتا تھا جس سے مجھے

> **"خدا نے انہیں دنیا کی دولت فراوانی سے عطا کی تھی لیکن ان پر اس سے بڑی عنایت یہ تھی کہ غنی کر دیا تھا' بادشاہوں اور فاتحین کی طرح نہیں' درویشوں کی طرح"**

اتفاق نہیں لیکن اقتدار احمد کا خوبصورت انداز تحریر دل میں کھبتا چلا جاتا تھا۔ ان کے قلم میں شگفتگی بھی تھی اور وہ طنز کے تیر بھی چلاتے تھے۔ ان کا مصرعوں کا استعمال کا طریقہ بھی جداگانہ تھا اور مصرعہ الگ سے نہیں لکھتے تھے بلکہ اسے جملے ہی میں موتی کی طرح پرو دیتے تھے۔ "زبان من یار من ترکی" انہی دنوں "ندا" میں قسط وار چھپنا شروع ہوا تو میں ایک دفعہ پھر چونکا۔ پہلے اقتدار نے مجھے صحافتی صلاحیتوں سے متاثر کیا تھا۔ ان کا سفرنامہ پڑھنا شروع کیا تو میں انہیں ادیب ماننے پر بھی مجبور ہو گیا۔ اس سفرنامے میں اسلامی تحریکوں کا ذکر بھی آیا ہے' بہت سنجیدہ مسئلے بھی ڈسکس ہوئے ہیں لیکن اقتدار احمد کا شگفتہ انداز تحریر قاری کو کہیں بھی بور نہیں ہونے دیتا۔ میرے نزدیک زبان یار من ترکی اردو کے جدید سفرناموں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام کا حامل سفرنامہ ہے!

اقتدار احمد مرحوم صرف ادیب یا صحافی نہیں تھے بلکہ ادب اور صحافت کو تو انہوں نے اس منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بنایا جو انہوں نے اپنے بھائی ڈاکٹر اسرار احمد کی قیادت میں اپنے لئے متعین کر رکھی تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت تھے اور انہوں نے اپنا سب کچھ تنظیم اسلامی کے مشن کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اقتدار احمد کسی زمانے میں "صاحب" قسم کے آدمی تھے۔ نہ داڑھی نہ مونچھ' سوٹڈ بوٹڈ' ان کے اس زمانے کے قصے ان کے دیرینہ دوست معزالدین خوب سناتے ہیں لیکن پھر ایک روز کایا کلپ' چہرے پر داڑھی' سر پر ٹوپی' ٹخنوں سے اونچی شلوار' نماز پنجگانہ اور تحریک اسلامی کے لئے سراپا جدوجہد۔ جو نظام وہ پورے ملک میں نافذ دیکھنا چاہتے تھے انہوں نے پہلے اسے آپ پر نافذ کیا اور اپنے گھر کی چار دیواری میں نافذ کیا' ہم لوگوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اسلام پسندوں کی زندگی میں اسلام اور ہمارے ترقی پسندوں کی زندگی میں ترقی پسندی کی ظاہری جھلکیاں تو ہیں' حقیقی شکلیں غائب ہیں۔ اقتدار احمد اسلام کی جس شکل کو حقیقی شکل سمجھتے تھے انہوں نے اسے اپنی ذات پر بھی نافذ کیا اور اس کی ترویج کے لئے ہر طرح کی قربانی بھی دی' میرے نزدیک وہ لوگ انتہائی قابل احترام ہیں جن کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا!

"وہ حزب اختلاف کے مستقل فرد تھے۔ نواز شریف کے عہد میں ان کا قلم تلوار تھا تو بے نظیر کے دور میں یہ قلم ذوالفقار بن گیا"

مجھے اقتدار احمد مرحوم کی ایک صفت نے خصوصی طور پر بہت متاثر کیا اور وہ اپنی ذات کی نفی کی صفت تھی۔ انہوں نے اپنی شخصیت کو کبھی نمایاں نہیں ہونے دیا۔ تنظیم اسلامی میں ایک اہم مقام حاصل ہونے کے باوجود انہوں نے خود کو ہمیشہ پیچھے رکھا اور امیر تنظیم اسلامی کی شخصیت اور خیالات و نظریات کی ترویج کو اپنا مشن بنایا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسی حوالے سے ایک عجیب و غریب بات ان میں یہ بھی تھی کہ انہوں نے اپنی کمپنیوں کے نام بھی اپنے نام پر رکھنے کی بجائے اپنے بزرگوں کے نام پر رکھے۔ اسی طرح ان کے گھر کا نام "خیام بنو مختار" ہے۔ مختار ان کے والد ماجد کا نام تھا۔ جو شخص اپنی ذات سے اس درجہ بے نیاز ہو مرنے کے بعد اس کے چہرے پر طمانیت تو جھلکنا ہی تھی چنانچہ ڈی بلاک ماڈل ٹاؤن کی گراؤنڈ میں جب ان کے چہرے سے کفن سرکایا گیا تو اندر سے ایک مطمئن اور ہشاش بشاش چہرہ برآمد ہوا۔ یہ چہرہ اقتدار احمد کا تھا جس نے مرنے کے بعد بھی زندگی اوڑھی ہوئی تھی۔

(تشکریہ روزنامہ نوائے وقت لاہور' ۱۴ جون ۹۵ء)

اک مردِ سعید' جواب ہمارے درمیان موجود نہیں!

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

ماہنامہ "الفجر" کے ایڈیٹر اور معروف کالم نگار جو "تحریک خلافت" کے پلیٹ فارم سے اپنی مسجع و مقفیٰ نگارش پر رفقاء و احباب سے متعدد بار بھرپور داد بھی وصول کر چکے ہیں

ایک تقریب کے دوران محب گرامی جناب نعیم اختر عدنان نے مجھے کتاب "زبان یار من ترکی..." عطا کرتے ہوئے کہا کہ جناب محترم اقتدار احمد صاحب نے اپنی یہ تصنیف آپ کے لئے بھیجی ہے' اور اس کتاب کی تقریب رونمائی کا پروگرام بن رہا ہے' آپ اسے دیکھیں اور اپنا تاثر بھی قلمبند کریں۔ میں نے شکریے کے ساتھ کتاب وصول کی اور تاثر لکھنے کا وعدہ کر لیا۔ جناب اقتدار احمد صاحب نے اپنے قلم سے ٹائٹل کے اندرونی صفحے پر لکھا تھا کہ "بخدمت صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی' احترام فراواں کے ساتھ" چند ہی روز بعد محترم جناب اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی خبر ملی اور میں غم کے احساس فراواں کے ساتھ نماز جنازہ میں شامل ہوا اور آج میں مغفرت اور ترقی درجات کی دعائے فراواں کے ساتھ مرحوم کی شخصیت پر اپنا تاثر لکھ رہا ہوں۔

مرحوم ایک بہت بڑے کاروباری ادارے کے مالک تھے' ہفت روزہ "ندا" (اور اب ندائے خلافت") کے ایڈیٹر تھے' تنظیم اسلامی کے اہم رکن تھے اور تحریک خلافت پاکستان کے سرکردہ لوگوں میں سے تھے۔ ان کا حلقہ احباب اپنے اپنے انداز میں اظہار غم کرے گا۔ کاروباری حضرات نے انہیں اپنے رنگ میں دیکھا ہو گا' اہل صحافت کسی اور زاویے سے انہیں پہچانتے ہوں گے' تنظیم اسلامی کے وابستگان کا مختلف تاثر ہو گا اور ان کے نجی دوستوں کا نقطہ نظر اور ہو گا۔

ایک میں ہوں کہ نہ کاروباری شخص' نہ اہل صحافت میں سے' نہ تنظیم اسلامی میں شامل اور نہ ہی ان کے خاص حلقہ احباب کا رکن مگر مرحوم جب بھی ملے مجھے محبت سے ملے' شفقت سے گلے لگایا' احترام سے بلایا اور اپنائیت کے ساتھ معاملہ کیا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم سے رحمت' مغفرت اور اپنے فضل خاص کا معاملہ فرمائے' آمین۔ چونکہ اسلام کا حکم ہے کہ اپنے مردوں کو خیر کے ساتھ یاد کیا کرو' اس حکم کی تعمیل میں ہمارا مسلم کلچر اپنے ہر بچھڑنے والے کو نیکی اور خیر کے ساتھ یاد کرتا ہے اور اس میں یہ "طمع" شامل ہوتا ہے کہ ہم بھی جب دنیا سے رخصت ہوں تو

"اقتدار کیسے تھے؟ جس نے زندگی کی بساط پر انہیں بروئے کار نہ دیکھا ہو' شاید وہ کبھی نہ سمجھ سکے"

"نوابزادہ نصر اللہ خان نے کہا کہ سالہا سال کے بعد ایک معیاری ہفت روزہ دیکھنے میں آیا ہے"

اہل دنیا ہمارے عیبوں کا پردہ رکھیں اور ہمیں بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے۔ مرحوم اقتدار احمد کو اچھے لفظوں اور نیک جذبوں کے ساتھ محض مسلم کلچر کے پس منظر میں یاد نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہ فی الواقع' نیک' پرہیزگار' دینی شغف رکھنے والے اور صاحب کردار فرد تھے۔ فقط صوم و صلوٰۃ کی طرف ہی مال نہیں دین کے کامل نظام حیات ہونے کے قائل تھے اور اس قافلے کے حدی خوانوں میں تھے جس قافلے کا ہر فرد صرف دوسروں پر اسلام نافذ کرنے کا علمبردار نہیں بلکہ سب سے پہلے اپنے اوپر اسلام کے نفاذ کے لئے اپنے نفس' اپنی ذات اور اپنے خویش قبیلے سے برسرپیکار ہے' لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری سوسائٹی میں نہ تو دینداروں کی کمی ہے اور نہ پرہیزگاروں کا قحط' تہجد گزار بھی بہت ہیں اور تسبیح شمار بھی ان گنت۔ میرے نزدیک مرحوم کی شخصیت کا ایک پہلو ایسا ہے جو قابل رشک بھی ہے اور لائق تقلید بھی!

سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مرحوم اقتدار احمد' ہمارے ملک کی نامور دینی اور تحریکی شخصیت محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے برادر خورد تھے' اور "برادر خورد" کے حوالے سے تو فارسی ادب میں ضرب الامثال مشہور ہیں' اور سب کی سب منفی! لیکن یہ معلوم کر کے ہمیں خوشگوار احساس ہوتا ہے کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے منصب بزرگی کی شان برقرار رکھی ہے اور مرحوم نے آداب برخورداری کی لاج نبھائی۔

ہمارے ہاں بالعموم یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک شخص دنیا بھر میں اسلام کے نفاذ کا ڈنکا پیٹ رہا ہے مگر اس کے گھر میں اسلام "غریب الوطن" کا درجہ رکھتا ہے۔ ایک شخص کی کرامات کا چرچا ملک بھر میں ہے اور اس کی اولاد کی "واردات" سے زمانہ تنگ ہے۔ کوئی علم و فضل کا کوہ گراں ہے مگر اس کے ورثاء کے ہاں علم و فضل کی حیثیت پر کاہ کے برابر بھی نہیں۔ کوئی بیسیوں کتابوں کا مصنف ہے مگر اس کے جانشین صرف کاغذوں کی ردی بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں۔ کسی کی نوک قلم کا ایک عہد معترف اور قدرشناس ہے مگر اس کے عزیزوں کے ہاں حرف و لفظ ایک بے معنی چیز ہے۔ یہ حادثے آج ہی رونما نہیں ہو رہے صدیوں سے ہو رہے ہیں' لیکن خوش نصیب ہیں وہ لوگ اور وہ گھرانے جن کی نسبتوں میں خلل واقع نہیں ہوا۔ باپ ولی کامل تو بیٹا زاہد مرتاض۔ والد صاحب علم و فضل تو اولاد حامل میراث پدر!

ہمارے ممدوح' اقتدار احمد مرحوم اپنے بڑے بھائی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی دینی تحریک کے نہ صرف رفیق کار اور صف اول کے جاں نثار تھے بلکہ انہوں نے اپنے بھائی سے شخصی بیعت کر رکھی تھی۔ صوفیاء کرام کی جماعت میں تو اس کی مثالیں ملتی ہیں' مگر آج کے "فکر و فلسفہ" کے عہد میں یہ جنس نایاب ہو کر رہ گئی ہے۔ انسان اپنی زندگی میں بڑے سخت اور کڑے امتحانوں سے گزرتا ہے' کبھی اسے اپنے نظریات کے لئے زمانے بھر سے بیگانہ بننا پڑتا ہے' کبھی اس کے کنول کے پھول جیسے شفاف کردار پر چھینٹے اڑائے جاتے ہیں' کبھی اس کی فکر ناپی جاتی ہے اور کبھی اس کا کردار پرکھا جاتا ہے' کبھی اس کا مبلغ علم دیکھا جاتا ہے اور کبھی اس کی نسبت کا وزن کیا جاتا ہے۔ زمانے کی پل صراط جیسی نازک اور کڑی میزان میں وہ شخص کتنا ہی کامیاب اور خوب قرار پائے مگر دیکھنے میں آیا ہے کہ رشتہ دار اور اہل خانہ اس میں کوئی نہ کوئی عیب نکال ہی لیں گے' اس لئے کہ دنیا بھر سے انسان ہزار حجاب قائم رکھ سکتا ہے مگر خاندان میں ایک بھی حجاب نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص اپنی بیوی' اپنے بیٹوں' اپنی بیٹیوں' اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں کو اپنے تقویٰ' اپنے حسن کردار' اپنی ذاتی خوبیوں اور اپنی نظریاتی صحت کا قائل کر لے تو اس شخص کا حوصلہ لائق داد اور اس کا معاملہ قابل تحسین سمجھا جانا چاہئے۔ یہ تاثر اگرچہ مرحوم اقتدار احمد کی شخصیت سے متعلق ہے مگر اس موقع پر ان کے برادر بزرگ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا تذکرہ ناگزیر ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس خوبی کا کھل کر اعتراف کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہزار بار مرحوم کے شخصی ایثار' نفی ذات' سعادت مندی اور قبول حق کی عادت کو بھی خراج تحسین پیش کیا جانا چاہئے کہ انہوں نے جب ایک بات کو حق سمجھ لیا اور وہ حق اپنے بھائی کے پروگرام میں نظر آیا تو محض اس لئے پیچھے نہیں رہ گئے کہ بھائی سے محض بھائی بندی ہوتی ہے' عقیدت مندی کا کیا مطلب؟ بھائی سے فقط معاملہ عزت ہوتا ہے' معاہدہ بیعت چہ معنی؟ لیکن مرحوم نے نفس کے پندار کو یکسر نظرانداز کر کے اپنے آپ کو برادر بزرگ کے حلقہ بیعت میں داخل کر دیا۔

یہاں یہ گمان گزرتا ہے کہ آخر بھائی جو ہوئے' بیعت ہو گئے تو کیا ہوا؟ لیکن یہی مرحلہ سب سے نازک ہے۔ بھائیوں کے درمیان عمر بھر خوشگوار تعلقات رہتے ہیں' بھائی ایک دوسرے سے مالی تعاون بھی کرتے ہیں' رشتے ناتے کے حوالے سے' دکھ سکھ میں ایک دوسرے کا سہارا بھی بنتے ہیں' لیکن بیعت جیسی نازک چیز ایک غیر معمولی واقعہ ہے جبکہ کوئی موروثی گدی نہ ہو' آئندہ کا سجادہ نشین بننے کا عزم نہ ہو یا بھائی کی بیعت کی کڑوی گولی ایک بار نگل لینے کا فائدہ یہ نظر آ رہا ہو کہ اس کے بعد پورا حلقہ میرا مرید بن جائے گا' اگر اس میں سے کوئی بات نہ ہو اور یقیناً نہیں ہے تو ڈاکٹر صاحب کے شخصی کردار و تقویٰ کو بھی سلام عقیدت اور مرحوم کے قبول حق اور سعادت کے جذبہ و شیوہ کو بھی سلام عقیدت!

مرحوم ماشاء اللہ پڑھے لکھے تھے' جہاندیدہ تھے' بہت بڑا کاروبار کرتے تھے' ویسے ہی گرویدہ نہیں ہو گئے۔

کوئی تو بات شمع کے جلنے میں تھی ضرور
جس پر نثار ہستی پروانہ ہو گئی

میری تحریر کا بنیادی نکتہ اور خلاصہ مرحوم کی اس خوبی کو اجاگر کرنا تھا اور میں ان کے اس وصف کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں تاہم یہ فیصلہ کرنا ہر ایک کا اپنا حق ہے کہ گل و بلبل کے معاملے میں وہ کیا رائے دیتے ہیں کہ پھول اس قابل ہوتا ہے کہ بلبل اس سے محبت کرے یا بلبل کا ذوق ترنم اتنا عمدہ ہوتا ہے کہ وہ گل کا انتخاب کرتی ہے۔ چاند زیادہ جاذب نظر ہوتا ہے یا چکور میں جذبہ عشق فراواں ہوتا ہے کہ وہاں تک پہنچنا چاہتا ہے اور اسی طرح شمع کی روشنی میں جادو ہوتا ہے یا پروانے کا ذوق خود سپردگی اسے فدا ہونے پر مجبور کر دیتا ہے؟۔OO

"بے چارہ سرور سکھیرا حیران و پریشان دفتر سے رخصت ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وزیراعظم سے جا کر کیا کہے"

اقتدار احمد' ایک درویش زمانہ آگاہ

ڈاکٹر انور سدید

ایک معروف نقاد اور افسانہ نگار جن کا ادبی جائزہ "طرفہ تماشا" کے زیر عنوان "ندا" کی زینت بنتا رہا

پچھلے دنوں لاہور کے صحافتی' ادبی اور سیاسی افق سے ایک ایسی شخصیت سفر آخرت پر روانہ ہو گئی جس کے مثیل اب لاہور میں کم کم نظر آتے ہیں۔ میری مراد "ندا" کے مدیر جناب اقتدار احمد سے ہے جو صحافی تھے تو تجزیئے کی دیانت پر آنچ نہیں آنے دیتے تھے۔ ادیب تھے تو اسلوب کی مرصع کاری سے دلیل کو روشن کرتے تھے۔ سیاست میں ان کا یہ رویہ خلفائے راشدین کے مقلدین جیسا تھا۔ وہ درویش زمانہ آگاہ تھے۔ قومی مفاد کو دنیا کے ہر مفاد پر فوقیت دیتے تھے۔ وہ حزب اختلاف کے مستقل فرد تھے۔ نواز شریف کے عہد میں ان کا قلم تلوار تھا تو بے نظیر بھٹو کے دور میں یہ قلم ذوالفقار بن گیا۔ وہ تنظیم اسلامی کے رکن اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے چھوٹے بھائی کی حیثیت میں ان کے فکر کے نقیب تھے۔ یہ متقی انسان دنیا سے رخصت ہوا تو ڈاکٹر اسرار احمد نے اسے اللہ کی رضا کہہ کر قبول کر لیا لیکن یہ اعتراف بھی کیا کہ

"اقتدار احمد ہر معاملے میں میرے ساتھی اور مددگار تھے"۔

لاہور سے ہفت روزہ "ندا" نئی آب و تاب سے جاری ہوا تو اس کی پشت پر اقتدار احمد کا ولولہ موجود تھا۔ وہ پیشہ ور صحافی نہیں تھے لیکن ادب کا مطالعہ انہوں نے بالاستیعاب کیا تھا۔ سینکڑوں اشعار ان کے حافظے کی لوح پر اس طرح کندہ تھے کہ جب چاہتے گردن جھکا کر دیکھ لیتے اور حسب مرضی شعر انتخاب کر کے "ندا" کے اداریئے میں ٹانک دیتے۔ مجھے یاد ہے کہ "ندا" کا اداریہ خالص سیاسی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن اس میں ادب کی چاشنی اتنی ہوتی تھی کہ یہ "پارۂ ادب" محسوس ہوتا اور اختلاف رائے کے باوجود اسے پڑھ کر بے حد طمانیت محسوس ہوتی۔

"ندا" جاری ہوا تو اس وقت ملک میں ہفت روزہ "تکبیر" اور "زندگی" کا ڈنکا بج رہا تھا۔ "جسارت" نے ابھی "فرائیڈے اسپیشل" کا سلسلہ شروع نہیں کیا تھا "تکبیر" اور "زندگی" دائیں بازو کی سیاست کے ترجمان اور افکار و اقدار اسلامی کے فروغ کے داعی تھے اور اب بھی ہیں۔ "ندا" کا دائرہ عمل اس سے مختلف نہیں تھا لیکن "تکبیر" اور "زندگی" کے برعکس "ندا" کا انداز اعتدال پسندانہ تھا۔ زندگی اور تکبیر اپنے سیاسی مخالفین کو للکارتے تھے۔ "ندا" للکارنے کی بجائے سہلانے کی کوشش کرتا۔ "تکبیر" اور "زندگی" بدعنوانی' کجی اور ناہمواری کو اس طرح پیش کرتے کہ جذبات ابل پڑتے اور لوگوں میں خون تیزی سے دوڑنے لگتا۔ "ندا" بلڈ پریشر کم کرنے کی سعی کرتا۔ قاری کو شبنم پر چلنے کی دعوت دیتا اور اسی منزل کی طرف لے جانے کی سعی کرتا جو دائیں بازو کے اسلام پسند اخبارات و رسائل کا مطمع نظر تھا۔

بدقسمتی یہ ہوئی کہ اس دور میں "جیالا کلچر" فروغ پا چکا تھا اور ادبی اسلوب میں کی جانے والی بات کم کم پڑھی اور بہت کم سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اقتدار احمد نے ادب اور صحافت کے ذریعے انقلاب لانے کا جو پروگرام بنایا تھا' کامیاب نہ ہو سکا۔ ان کی دانشوری کو سراہا گیا۔ ان کی بے باک نگاری کی داد دی گئی "ندا" کو صحافتی اور ادبی حلقوں میں نمایاں پذیرائی حاصل ہوئی لیکن جن اقتدار پر اقتدار احمد صاحب سختی سے کاربند تھے انہیں لاہور کی روزانہ اردو صحافت نے یکسر پامال کر دیا تھا۔ چنانچہ "ندا" کو عوامی قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ ۱۹۹۱ء کے لگ بھگ اس کا نیا روپ "خلافت" کی بناء استوار کرنے کے لئے اسلاف کا قلب و جگر تلاش کرنے لگا۔ تلاش کا یہ سفر بڑا جان کاہ تھا اور اقتدار احمد ایک جان لیوا بیماری کا شکار ہو چکے تھے۔ آخر منگل ۶ جون ۱۹۹۵ء کو وہ دنیا کے سب کام یہیں چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

میں "ندا" کا مستقل قاری تھا۔ میں نے "ندائے خلافت" کا وہ پرچہ بھی پڑھا کہ جس میں اقتدار احمد کے جنازے کی تصویر چھپی ہے۔ "ندا" اور "ندائے خلافت" کے ساتھ اقتدار احمد کی جتنی زندگی گزری وہ میرے سامنے ہے۔ "ندا" کے آخری دور میں انہوں نے مجھے ادبی کالم "چشم تماشا" لکھنے کی دعوت دی اور یہ سلسلہ "ندا" کے آخری پرچے تک جاری رہا۔ میں کبھی کبھی بڑے افتخار سے عرض کرتا ہوں کہ اظہار کی جتنی آزادی مجھے "جسارت" نے عطا کی' اتنی آزادی کسی اور اخبار یا رسالے نے مجھے نہیں دی۔ میں یہاں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اقتدار احمد نہ صرف خود اختلاف رائے کرتے تھے بلکہ دوسروں کا اختلاف قبول بھی کرتے اور اپنا دفاع بھی کرنے کا حق محفوظ رکھتے تھے۔ مجھے "ندا" کی یہ روش پسند تھی کہ یہاں بھی مجھے بات کرنے کی آزادی حاصل تھی۔ پھر جب میرے کالموں پر ترقی پسندوں کا جوابی حملہ شروع ہو گیا تو اقتدار صاحب مجھے موقع دیتے کہ بحث کا رن "ندا" کے صفحات پر ہی پڑے اور دونوں اطراف کا نقطہ نظر کھل کر سامنے آ جائے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ "جسارت" اور "ندا" کی نمو ایک ہی شاخ ثمردار سے ہوئی تھی۔ دونوں کا مقصد اسلام کی انقلابی فکر کو ملک میں عام کرنا تھا اور اس فکر کے فروغ کا ایک وسیلہ ادب بھی تھا۔

اقتدار احمد صاحب سے باتیں کر کے انسانی عزم و حوصلے میں یقین قائم ہو جاتا تھا۔ انہیں ایک ایسی بیماری لاحق تھی جس کی تاحال پوری تشخیص نہیں ہوئی' ان کے خون کی کثافت بڑھ جاتی تو خون کی روانی میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ انہیں ایک معین عرصے کے بعد یہ گاڑھا خون نکلوانا پڑتا تھا۔ یہ بے حد تکلیف دہ بیماری تھی لیکن میں دیکھتا کہ اقتدار صاحب اس سے شمہ بھر پریشان نہیں ہوتے تھے۔ صبر و رضا کا یہ شیوہ ان کی شخصیت کا جزو اعظم تھا۔ بہت سے لوگ اسے حیرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ یہ رویہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا تھا اور اب بہت کم نظر آتا ہے۔

اس قسم کا ایک اور مشاہدہ میں نے اس وقت کیا جب ایک حادثے میں اقتدار صاحب کا داماد اور فرزند جاں بحق ہو گئے۔ "نوجوان بچوں کی میتیں صحن میں کفن میں لپٹی پڑی تھیں لیکن اقتدار صاحب رضائے خداوندی کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ شاید ان کا دل رو رہا ہو گا لیکن ان کی آنکھوں میں

"اقتدار صاحب! حق تعالیٰ نے آپ کو کتنا صبر دیا تھا۔ اس استقامت کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں' ہمیشہ ترستی رہیں گی"

آنسوؤں کا ایک قطرہ تک نہیں تھا۔ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اندرون خانہ سے بھی نہ آہیں اٹھ رہی تھیں' نہ سسکیاں ابھر رہی تھیں۔ دو جنازے کلمہ شہادت کی صداؤں میں اٹھے اور زیر لحد چلے گئے۔ پھر وہ وقت بھی آ گیا کہ اقتدار صاحب کا جنازہ اٹھا اور انہیں اسی قبرستان میں اپنے بیٹے اور داماد کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ اتنے مضبوط اعصاب کا شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ میری اپنی حالت یہ ہے کہ یہ الفاظ لکھ رہا ہوں تو قلم کانپ رہا ہے اور آنکھیں نم ہیں۔ اقتدار صاحب! حق تعالیٰ نے آپ کو کتنا صبر دیا تھا۔ اس استقامت کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔ ہمیشہ ترستی رہیں گی۔

اقتدار احمد نے صحافت کا ابتدائی سفر ملک نصراللہ خان عزیز کے رسالہ "تسنیم" سے شروع کیا تھا۔ وہ اس میں "باسط بی اے" کے نام سے لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ملک نصر اللہ خان عزیز بیرون ملک گئے تو "تسنیم" کی اداریہ نگاری اقتدار صاحب کو تفویض کر گئے۔ انہوں نے ملک صاحب کے اسلوب میں اتنے اچھے اداریئے لکھے کہ کوئی پہچان نہ سکا کہ ملک نصراللہ خان کی بجائے اقتدار صاحب لکھ رہے تھے۔ "ندائے خلافت" میں انہوں نے اپنی بکھری ہوئی یادوں کو مجتمع کرنا شروع کیا تو اس کا عنوان "زندگانی کی گزرگاہوں میں" ملک صاحب سے ہی مستعار لیا۔ مجھے بتایا گیا کہ وفات سے قبل یہ سوانح واقعات کتابی صورت میں چھپ گئی تھی۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اقتدار احمد کی اداریہ نگاری کی صرف دو جھلکیاں آپ کے سامنے پیش کر دی جائیں۔ اس سے ان کے اسلوب فن کے علاوہ ان کی سیاسی فکر کا انداز بھی عیاں ہو جاتا ہے۔

"ہم کہاں پڑے ہیں" کے عنوان سے انہوں نے ۲۵ اکتوبر ۹۴ء کو لکھا:

"طویل آمریت کے تسلط سے نکل کر جمہوریت نے ہمارے ملک میں جو قلابازیاں دکھائیں تو سمجھا یہ گیا تھا کہ "کوا چلا ہنس کی چال' اپنی چال بھی بھول گیا" اور اب پھر سے صحیح انداز میں چلنے کی کوشش کر رہا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کمی بیشی گوارا کرنی ہی ہو گی۔ اپوزیشن کی حالیہ تحریک نجات اور حکومت کی جوابی شعبدہ بازی نے تو سادہ دل محبان وطن کی ہی نہیں فکر مند اہل خرد کی بھی اصلاح احوال کے باب میں سب امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ لگتا یوں ہے کہ ہماری سیاست تماش بینوں میں گھر گئی ہے۔ بچوں کے لئے ایک کھیل بن کر رہ گئی ہے۔ ذرا غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ یہ جنگ لیلائے اقتدار سے وصل و فصل کا جھگڑا ہے۔ ورنہ پاکستان کے اصل جواز اور اس کے استحکام کی واحد ضمانت یعنی اسلام کے بطور دین ملک میں نفاذ یا یوں کہہ لیجئے کہ نظام خلافت کا قیام ان میں سے کسی کو مطلوب کیا گوارا تک نہیں"

"احتساب ضروری تو ہے مگر..." کے زیر عنوان اقتدار صاحب نے ۲۱ فروری ۱۹۹۵ء کو لکھا

"بارے خدا خدا کر کے ہمارے ہاں بھی احتساب کا عمل شروع تو ہوا ہے ورنہ اب تک تو دستور یہ تھا کہ جس کا داؤ لگے' ملک کو بھنبھوڑے اور جو جی چاہے اڑا لے جائے... لیکن دو سوالوں کے جواب اگر تسلی بخش نہ ہوں تو یہ احتساب نہیں' بلیک میلنگ ہے۔ فری اسٹائل سیاسی کشتی ہے اور انتقامی کارروائی ہے۔ پہلا سوال یہ کہ کیا جملہ بدعنوانیوں میں صرف حزب اختلاف سے تعلق رکھنے والے سیاستدان اور ان کو نوازنے والے بینکار یا بیوروکریٹ ہی ملوث تھے اور موجودہ حکمران اور ان کے اعیان و انصار سب کے سب پیر کے پوتے ہیں کہ ان میں سے کسی کی بھی بدعنوانی تا حال منظر عام پر نہیں آئی۔

دوسرا یہ کہ معاملہ پکڑ دھکڑ اور پیشیاں بھگتنے تک ہی محدود رہے گا یا وہ مال بھی برآمد کیا جائے گا جس کی چوری کا سراغ ہاتھ آیا ہے۔ یعنی یہ پوری مشق صرف "زبردست کا ٹھینگا سر پر" کا مظاہرہ ہے یا اس کا کچھ مفید نتیجہ بھی نکلے گا؟"

یہ کلمہ حق ہے اور جابر سلطان کے سامنے کہا گیا ہے۔ افسوس کہ یہ کلمہ حق کہنے اور لکھنے والا اب اس دنیا میں موجود نہیں۔OO

(بشکریہ روزنامہ "جسارت" کراچی' ۲۴ جون ۹۵ء)

> **"مجھے یاد ہے کہ "ندا" کا اداریہ خالص سیاسی نوعیت کا ہوتا تھا لیکن اس میں ادب کی چاشنی اتنی ہوتی تھی کہ یہ "پارہ ادب" محسوس ہوتا تھا اور اختلاف رائے کے باوجود اسے پڑھ کر بے حد طمانیت محسوس ہوتی تھی"**

اقتدار احمد کے لئے چند آنسو

ہارون رشید

ایک کہنہ مشق صحافی اور صاحب طرز ادیب جو کچھ عرصہ "ندا" کے ساتھ بطور معاون مدیر وابستہ رہے اور اس طرح انہیں مرحوم اقتدار احمد کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

اقتدار احمد چلے گئے۔ میں ان کے جنازے کو کندھا نہ دے سکا۔ ان کی قبر دیکھنے نہ جا سکا۔ حتیٰ کہ ان کے نیک نہاد فرزندوں سے تعزیت بھی نہ کر سکا۔ اب ان کی موت کے کئی دن بعد جب جدائی کے غم نے اچانک مجھے آ لیا ہے۔ سفید کاغذ سامنے رکھے میں سوچ رہا ہوں کہ مرنے والے کو روؤں یا اپنی بے حسی پر آنسو بہاؤں --- ہاں! زندگی ایسی ہی بے رحم اور گوناگوں ہے۔ اس کی بساط پر اقتدار احمد ایسے نجیب' حساس' غیرت مند اور غنی انسان نمودار ہوتے ہیں اور میرے جیسے کم ہمت' بے دلے اور بے روح لوگ بھی!

اقتدار احمد کیسے تھے؟۔ جس نے زندگی کی بساط پر انہیں بروئے کار نہ دیکھا ہو' شاید وہ کبھی نہ سمجھ سکے۔ وہ قرآن مجید کے نامور مفسر ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی تھے' لیکن وہ محض ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی نہیں تھے۔ وہ اپنی ذات میں ایک منفرد آدمی تھے۔

کبھی وہ اپنے بارے میں بات کرتے تو تعجب ہوتا تھا۔ بے شک دنیا میں سچ بولنے والے لوگ بھی پائے جاتے ہیں اور حسن نثار کی طرح دہلا دینے والے بے رحم سچ بولنے والے بھی' مگر اقتدار کی بات ہی دوسری تھی۔ وہ خود اپنے بارے میں اس دھڑلے سے بات کرتے تھے کہ آدمی ششدر رہ جاتا۔ ان کی زندگی میں کوئی بڑا عیب نہ تھا تاہم یہ کمال انہی میں دیکھا کہ گفتگو

میں اپنی تصویر بناتے تو بال برابر اضافہ اور بال برابر کمی گوارا نہ کرتے ---- دو ٹوک' مکمل اور کھرا سچ بولتے' ایسے کھرے تھے اقتدار احمد۔

خدا نے انہیں دنیا کی دولت فراوانی سے عطا کی تھی لیکن ان پر اس سے بڑی عنایت یہ تھی کہ غنی کر دیا تھا' بادشاہوں اور فاتحین کی طرح نہیں' درویشوں کی طرح!

یاد نہیں پڑتا کہ ان سے کسی محتاج کی مدد کی سفارش کی ہو تو انہوں نے لحہ بھر تامل کا مظاہرہ کیا ہو جو دولت مندوں کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ "کتنے پیسے؟" وہ سوال کرتے ہوئے اپنے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کبھی خود پر غیر ضروری احتیاط کو طاری ہونے نہ دیتے۔

اپنے خاندان کے بعض دوسرے افراد کی طرح جنہوں نے اس ملک میں ایک نئی صنعت متعارف کرائی' وہ بنی بنائی چھتوں کے کاروبار سے وابستہ تھے' لیکن ان کی شخصیت اور گفتگو میں کاروبار کبھی دکھائی سنائی نہ دیتا۔ ان کے ملازمین کی تعداد سینکڑوں اور آمدن شاید کروڑوں میں تھی' لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ اس کوچے کے دوسرے لوگوں سے یکسر مختلف تھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ اور اسلام کے نام پر حاصل کی گئی اس بستی میں' تعمیر کا کاروبار رشوت ستانی اور جعل سازی کا کاروبار ہے' لیکن خدا اس شخص کی قبر ٹھنڈی رکھے' اس سمندر میں رہتے ہوئے بھی اس نے اپنے ہاتھ خشک رکھنے کی شعوری کوشش کی۔ وہ بنک میں رکھے روپے پر سود لینے یا بینک سے سود پر قرض لینے کے روادار تک نہ تھے۔ کامل یکسوئی اور پوری سختی کے ساتھ' وہ خود کو ان معاملات سے الگ تھلگ رکھتے۔ جب سوال کیا جاتا تو وہ بتاتے کہ چونکہ خدا کی شریعت اجازت نہیں دیتی' لہٰذا یہ سمجھوتہ انہیں کسی طرح گوارا نہیں --- اپنے اصولوں کی پاسداری کے لئے انہوں نے تعمیرات کے سرکاری کاموں سے ہاتھ اٹھالیا تھا' حالانکہ گاہے ان سے اصرار اور تقاضا کیا جاتا تھا' لیکن وہ چپ سادھ لیتے اور منہ دوسری طرف کر لیتے تھے ---- کئی تلخ تجربوں کے بعد انہوں نے یہ دروازہ بند کر دیا تھا۔

عمر بھر یہ احساس ان پر غالب رہا تھا کہ وہ خدا کے دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکے۔ ایک حادثے نے اس احساس کو مزید گہرا کر دیا' جب ایک گاڑی میں سوار ان کے دو پیارے فنا کا گھاٹ اتر گئے۔ یہ حادثہ حساس آدمی کے دل پر ہمیشہ کا زخم بن جاتا لیکن تب انہوں نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ وہ کاروبار تو پہلے ہی بہت حد تک اپنے فرزندوں کے سپرد کر چکے تھے اب اس سے بالکل لاتعلق رہ کر خود صحافت کے کوچے میں جگر آزمانے کا فیصلہ کیا۔ تب "ندا" نام کا پاکیزہ اور باوقار جریدہ منظر عام پر آیا' جس نے اپنے صوری اور معنوی حسن کی ان سے بھی داد پائی' جو بالعموم داد کے روادار نہیں ہوتے۔ اس جریدے میں انہوں نے بہت سی یاد رہ جانے والی تحریریں لکھیں' خاص طور پر وہ سفر نامہ' جس کا مطالعہ کرتے ہوئے دل سینے میں زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگتا۔ اقتدار احمد نے دنیا دیکھی تھی اور جب وہ یہ دنیا اپنے قاری کو دکھاتے تو تصویر کے سارے بولنے لگتے --- آدمی حیران ہو کر سوچتا کہ اس شخص نے یہ سب کہاں سے سیکھ لیا۔ حقیقت یہ کہ ان کا ہنر ایک ہی تھا--- پورا' مکمل' بے ریا اور بے ساختہ سچ!!

وہ آدمی اٹھ گیا' جس کے وجود سے اپنے ماحول میں برکت اور روشنی تھی' امید اور امنگ پھوٹتی تھی ---- اور میرے جیسے ناکردہ کار باقی رہ گئے' اب وہ کس دروازے پر روشنی کی بھیک مانگیں۔ محل ویران ہو تو دریوزہ گر کا کشکول کون بھرے۔OO

(بشکریہ روزنامہ "صداقت" لاہور' ۱۴ جون ۹۵ء)

اقتدار احمد مرحوم

مجیب الرحمٰن شامی

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے سرگرم رہنما بلکہ ترجمان' ممتاز صنعت کار اور صاحب طرز اخبار نویس جناب اقتدار احمد نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔ برسوں پہلے وہ روزنامہ "تسنیم" سے وابستہ ہوئے تھے' پھر کاروبار کی طرف جانکلے۔ چند برس پہلے ایک سنجیدہ اور باوقار ہفت روزہ "ندا" لاہور سے جاری کیا جو بعد میں پندرہ روزہ "ندائے خلافت" میں ڈھل گیا۔ وہ اب کاروبار اپنے بچوں کے سپرد کر کے اپنا تعلق قلم اور قرطاس سے جوڑ چکے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی تھے' ان پر سو جان سے فدا تھے' لیکن انکی شخصیت اور حیثیت اپنی تھی۔ وہ ایک وضع دار' دیانت دار' دوسروں کے کام آنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے شخص تھے۔ ان کی راتیں اس کی یاد سے مہکتیں اور دن اس کے ذکر سے روشن تر تھے۔ حال ہی میں ان کا ترکی کا سفرنامہ شائع ہوا ہے' جو اپنے اسلوب اور پیشکش کے اعتبار سے یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے' ان کے پسماندگان کو صبر عطا کرے۔ ان کے قلم کا اقتدار تادیر قائم رہے گا کہ قلم کی مملکت میں چڑھنے والا سورج ایک دن میں غروب نہیں ہوتا۔

(بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور' ۲۹ جون ۱۹۹۵ء)

"عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا"

میاں محمد وکیل الدین

تحریک منہاج القرآن سے وابستہ ایک دوست کے تاثرات جنہیں مرحوم سے شرف ملاقات حاصل تھا

آج صبح ٹیلی ویژن کی نشریات دیکھتے ہوئے ہمیں اس وقت خوشی اور رنج کا ملا جلا احساس ہوا جب اناؤنسر نے مرحوم اقتدار احمد صاحب کے سفر نامہ کا تعارف پیش کیا۔ اقتدار احمد صاحب نے صحافت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز اس وقت کیا جب "زندگی" پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی' "چٹان" ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور "تکبیر" بے وقت اذانیں دے رہا تھا کہ ایسے میں ایک "ندا" قوت اور شوکت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوئی' جس نے بہت جلد اہل حق کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ ہفت روزہ صحافت جو حقیقتاً دم توڑ رہی تھی' انہوں نے اس کے عروق مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ محترم اقتدار احمد نے پہلی بار سیاسی

میں اپنی تصویر بناتے تو بال برابر اضافہ اور بال برابر کمی گوارا نہ کرتے ---- دو ٹوک، مکمل اور کھرا سچ بولتے، ایسے کھرے تھے اقتدار احمد۔

خدا نے انہیں دنیا کی دولت فراوانی سے عطا کی تھی لیکن ان پر اس سے بڑی عنایت یہ تھی کہ غنی کر دیا تھا، بادشاہوں اور فاتحین کی طرح نہیں، درویشوں کی طرح!

یاد نہیں پڑتا کہ ان سے کسی محتاج کی مدد کی سفارش کی ہو تو انہوں نے لمحہ بھر تامل کا مظاہرہ کیا ہو جو دولت مندوں کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے۔ "کتنے پیسے؟" وہ سوال کرتے ہوئے اپنے بریف کیس کی طرف ہاتھ بڑھاتے اور خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے کبھی خود پر غیر ضروری احتیاط کو طاری ہونے نہ دیتے۔

اپنے خاندان کے بعض دوسرے افراد کی طرح جنہوں نے اس ملک میں ایک نئی صنعت متعارف کرائی، وہ بنی بنائی چھتوں کے کاروبار سے وابستہ تھے، لیکن ان کی شخصیت اور گفتگو میں کاروبار کبھی دکھائی، سنائی نہ دیتا۔ ان کے ملازمین کی تعداد سینکڑوں اور آمدن شاید کروڑوں میں تھی، لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ اس کوچے کے دوسرے لوگوں سے یکسر مختلف تھے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ اور اسلام کے نام پر حاصل کی گئی اس بستی میں، تعمیر کا کاروبار رشوت ستانی اور جعل سازی کا کاروبار ہے، لیکن خدا اس شخص کی قبر ٹھنڈی رکھے، اس سمندر میں رہتے ہوئے بھی اس نے اپنے ہاتھ خشک رکھنے کی شعوری کوشش کی۔ وہ بنک میں رکھے روپے پر سود لینے یا بینک سے سود پر قرض لینے کے روادار تک نہ تھے۔ کامل یکسوئی اور پوری سختی کے ساتھ، وہ خود کو ان معاملات سے الگ تھلگ رکھتے۔ جب سوال کیا جاتا تو وہ بتاتے کہ چونکہ خدا کی شریعت اجازت نہیں دیتی، لہٰذا یہ سمجھوتہ انہیں کسی طرح گوارا نہیں --- اپنے اصولوں کی پاسداری کے لئے انہوں نے تعمیرات کے سرکاری کاموں سے ہاتھ اٹھالیا تھا، حالانکہ گاہے ان سے اصرار اور تقاضا کیا جاتا تھا، لیکن وہ چپ سادھ لیتے اور منہ دوسری طرف کر لیتے تھے ---- کئی تلخ تجربوں کے بعد انہوں نے یہ دروازہ بند کر دیا تھا۔

عمر بھر یہ احساس ان پر غالب رہا تھا کہ وہ خدا کے دین کی کوئی خدمت نہیں کر سکے۔ ایک حادثے نے اس احساس کو مزید گہرا کر دیا، جب ایک گاڑی میں سوار ان کے دو پیارے فنا کا گھاٹ اتر گئے۔ یہ حادثہ حساس آدمی کے دل پر ہمیشہ کا زخم بن جاتا لیکن تب انہوں نے ایک عجیب فیصلہ کیا۔ وہ کاروبار تو پہلے ہی بہت حد تک اپنے فرزندوں کے سپرد کر چکے تھے اب اس سے بالکل لاتعلق رہ کر خود صحافت کے کوچے میں جگر آزمانے کا فیصلہ کیا۔ تب "ندا" نام کا پاکیزہ اور باوقار جریدہ منظر عام پر آیا، جس نے اپنے صوری اور معنوی حسن کی ان سے بھی داد پائی، جو بالعموم داد کے روادار نہیں ہوتے۔ اس جریدے میں انہوں نے بہت سی یاد رہ جانے والی تحریریں لکھیں، خاص طور پر وہ سفر نامہ، جس کا مطالعہ کرتے ہوئے دل سینے میں زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑانے لگتا۔ اقتدار احمد نے دنیا دیکھی تھی اور جب وہ یہ دنیا اپنے قاری کو دکھاتے تو تصویر کے سارے بولنے لگتے --- آدمی حیران ہو کر سوچتا کہ اس شخص نے یہ سب کہاں سے سیکھ لیا۔ حقیقت یہ کہ ان کا ہنر ایک ہی تھا --- پورا، مکمل، بے ریا اور بے ساختہ سچ!!

وہ آدمی اٹھ گیا، جس کے وجود سے اپنے ماحول میں برکت اور روشنی تھی، امید اور امنگ پھوٹتی تھی ---- اور میرے جیسے ناکردہ کار باقی رہ گئے، اب وہ کس دروازے پر روشنی کی بھیک مانگیں۔ محل ویران ہو تو دریوزہ گر کاشکول کون بھرے۔OO

(بشکریہ روزنامہ "صداقت" لاہور، ۱۴ جون ۹۵ء)

اقتدار احمد مرحوم

مجیب الرحمٰن شامی

تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے سرگرم رہنما بلکہ ترجمان، ممتاز صنعت کار اور صاحب طرز اخبار نویس جناب اقتدار احمد نے اس دنیا سے منہ موڑ لیا۔ برسوں پہلے وہ روزنامہ "تسنیم" سے وابستہ ہوئے تھے، پھر کاروبار کی طرف جا نکلے۔ چند برس پہلے ایک سنجیدہ اور باوقار ہفت روزہ "ندا" لاہور سے جاری کیا جو بعد میں پندرہ روزہ "ندائے خلافت" میں ڈھل گیا۔ وہ اب کاروبار اپنے بچوں کے سپرد کر کے اپنا تعلق قلم اور قرطاس سے جوڑ چکے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے چھوٹے بھائی تھے، ان پر سو جان سے فدا تھے، لیکن انکی شخصیت اور حیثیت اپنی تھی۔ وہ ایک وضع دار، دیانت دار، دوسروں کے کام آنے والے اور اللہ سے ڈرنے والے شخص تھے۔ ان کی راتیں اس کی یاد سے مہکتیں اور دن اس کے ذکر سے روشن تر تھے۔ حال ہی میں ان کا ترکی کا سفرنامہ شائع ہوا ہے، جو اپنے اسلوب اور پیشکش کے اعتبار سے یادگار ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے، ان کے پسماندگان کو صبر عطا کرے۔ ان کے قلم کا اقتدار تادیر قائم رہے گا کہ قلم کی مملکت میں چڑھنے والا سورج ایک دن میں غروب نہیں ہوتا۔

(بشکریہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور، ۲۹ جون ۱۹۹۵ء)

"عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا"

میاں محمد وکیل الدین

تحریک منہاج القرآن سے وابستہ ایک دوست کے تاثرات جنہیں مرحوم سے شرف ملاقات حاصل تھا

آج صبح ٹیلی ویژن کی نشریات دیکھتے ہوئے ہمیں اس وقت خوشی اور رنج کا ملا جلا احساس ہوا جب اناؤنسر نے مرحوم اقتدار احمد صاحب کے سفر نامہ کا تعارف پیش کیا۔ اقتدار احمد صاحب نے صحافت کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز اس وقت کیا جب "زندگی" پر پژمردگی چھائی ہوئی تھی، "چٹان" ٹوٹ پھوٹ چکا تھا اور "تکبیر" بے وقت اذانیں دے رہا تھا کہ ایسے میں ایک "ندا" قوت اور شوکت کے ساتھ بلند ہونا شروع ہوئی، جس نے بہت جلد اہل حق کو اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ ہفت روزہ صحافت جو حقیقتاً دم توڑ رہی تھی، انہوں نے اس کے عروق مردہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ محترم اقتدار احمد نے پہلی بار سیاسی

اور دینی حوالے سے غیر جانبدارانہ تبصرے پیش کئے لیکن بوجوہ وہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔ پھر ایک وقت آیا جب "ندائے خلافت" میں سفرنامہ محض ایک تصویر کی وجہ سے بند ہونے کا اعلان ہوا تو محترم نے دکھ بھرے انداز کا حامل کالم لکھا کہ "اب میں لکھوں کہ نہ لکھوں"۔ انہوں نے کہا کہ اس کا فیصلہ میں قارئین کی آراء کے بعد کروں گا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ مدیر "نوائے خلافت" کے قدر دانوں نے کس طرح ان سے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور سینکڑوں خطوط ان کو ارسال کئے گئے کہ آپ لکھیں، ضرور لکھیں۔ اس کے بعد محترم اقتدار احمد کا ایک کالم روزنامہ پاکستان میں بھی شائع ہونا شروع ہو گیا۔

ایک اہم بات عرض کرتا چلوں کہ میں ایک سنی العقیدہ شخص ہوں اور میرا تعلق "تحریک منہاج القرآن" سے ہے۔ لیکن تنظیم اسلامی کے قریب آنے میں جو چیز معاون ثابت ہوئی وہ محترم اقتدار احمد صاحب کا طرز گفتگو، بے پناہ علم اور اصولوں پر سودے بازی نہ کرنے کا پختہ عزم اور سب سے بڑھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی محبت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں جس قدر محبت تھی، اتنی شاید بریلوی حضرات کو بھی نہ ہو۔ اگر کوئی میری طرح ان سے شرف ملاقات رکھتا تو وہ بجا طور پر انہیں اپنا ہم خیال تصور کرتا۔

ان کا ایک واقعہ میں ضرور لکھنا چاہوں گا جس کی وجہ سے میں نے ان سے کئی بار ملاقات کی اور جس کی وجہ سے آج تک میں ان کے الفاظ کو فراموش نہ کر سکا اور شاید عمر بھر ایسا نہ کر سکوں گا۔ ہوا یوں کہ ایک دفعہ میں نے تنظیم اسلامی فیروز والہ کے ایک رکن جناب نعیم اختر عدنان کے ساتھ محترم اقتدار احمد کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ نعیم صاحب نے اپنا ایک سفرنامہ جو کہ سفرِ حج سے متعلق تھا تصحیح کے لئے محترم اقتدار احمد صاحب کے حوالہ کیا۔ اقتدار احمد صاحب نے ہماری خاطر تواضع کے بعد یہ سفرنامہ دیکھنا شروع کیا اور یک دم جلال میں آ گئے کہ نعیم صاحب تم نے روضہ رسولؐ کے بارے میں کوئی تاثر قلمبند نہیں کیا حالانکہ مجھ جیسے وہابی کو بھی یوں محسوس ہوا کہ جو کچھ ہے روضہ رسولؐ پر ہی ہے' اور ایسا لگا کہ جیسے حضورؐ سامنے کھڑے ہوں۔ وہاں ادب کا مقام ہے اور کعبہ میں تو لوگ ادب کا خیال نہیں کرتے۔ نعیم صاحب نے اس پر تسلیم کیا کہ واقعی ان کا خیال اس طرف منتقل نہیں ہوا۔

یہ میری اقتدار احمد صاحب سے پہلی ملاقات تھی۔ اس کے بعد کئی ملاقاتیں ہوئیں اور میرا یہ مطالبہ تکرار کی حد تک رہا کہ آپ سفرنامہ ضرور چھاپیں اور اس کے ساتھ ساتھ عوامی اجتماعات کے اندر لوگوں کے سامنے اپنے خیالات بیان کرنے کی کوشش کریں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر محترم اقتدار احمد صاحب عوامی اجتماعات سے خطاب کرتے تو ان کا مسحور کن لب و لہجہ' ان کی پر مغز گفتگو سن کر لوگ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ اقتدار صاحب' خورشید احمد گیلانی کی طرح ایک مخلص صاحب درد اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کی امید رکھنے والی ایک شخصیت ہیں۔ میں نے اپنے ایک خط میں اقتدار احمد صاحب کے نام لکھا تھا کہ ملک کے لوگ ذہنی طور پر مردہ ہو چکے ہیں۔ درحقیقت یہ زندہ لاشیں ہیں جو زندہ انسانوں کی قدر نہیں پہچان سکتیں اور ہماری قوم کا یہ تو حال ہے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات ہے کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

اللہ تعالیٰ مرحوم کے اعزہ و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور مرحوم کو قیامت کے دن آقا علیہ السلام کی شفاعت نصیب فرمائے۔ OO

بھائی

(نذرِ روحِ اقتدار)

علامہ سید شبیر بخاری

بھائی، انوارِ مواخات کا مظہر، بھائی
بھائی، ماں باپ کی تنظیم کا محور، بھائی

سر بلند اس سے روایاتِ سلف کا پرچم
ماں کا ایثار ہے اور باپ کا یاور، بھائی

دورِ فرعون میں ہارون ہے موسیٰ کے لئے
دورِ ذوالکفل میں خواہر کی ہے چادر بھائی

بھائی کا قوتِ بازو ہے ' عصا باپ کا ہے
ماں کی مہکار ہے، بہنوں کا ہے زیور بھائی

بھائی گردابِ شبِ غم میں کنارا، بھائی
بھائی میرا مجھے جی جان سے پیارا بھائی

یادیار مہرباں آید ہمے

"ان کی حسین یادوں سے ہمارے دل و دماغ معطر ہیں"

"وہ تنظیم اسلامی کے لئے بہت بڑا اثاثہ تھے"

مرحوم کے بارے میں ان کے قریبی تنظیمی ساتھیوں کے تاثرات جن میں بعض اکابر تنظیم بھی شامل ہیں

آہ ! اقتدار بھائی

جنرل (ر) محمد حسین انصاری

باہمی میل جول انسان کا بشری تقاضا ہے۔ ہر انسان کی دوسرے انسان سے جان پہچان کا آغاز یا تو کسی ضرورت کے تحت ہوتا ہے یا کسی حادثے کی بنا پر یا کسی اتفاق کے طور پر۔ یہ ابتدائی جان پہچان پھر باہمی ہم آہنگی، طبیعت کے میلان اور دل کے جذبہ پسندیدگی کی بنا پر تعلقات میں ڈھلنا شروع ہو جاتی ہے۔ اگرچہ وقت کے ساتھ تعلقات میں اتار چڑھاؤ کا امکان تو رہتا ہے تاہم ہر شخص کے ذہن میں اپنے متعلق کے بارے میں ایک مجموعی تصوراتی خاکہ ہمہ وقت موجود ہوتا ہے۔ البتہ ان تعلقات کی صحیح نوعیت کا اندازہ صرف اسی وقت ہو پاتا ہے جب وہ رفیق ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے اور بقید حیات اس سے دوبارہ ملنے کی آس کٹ جائے۔ یہی ماجرا میرے اور اقتدار احمد مرحوم کے تعلقات کا ہے۔ اقتدار بھائی سے میرا غائبانہ تعارف تو کافی عرصہ سے تھا اور یہ ان کی اور ان کی فیملی کی کمرشل انجینئرنگ میں کامیاب پیش قدمی کی بنا پر تھا۔ اس تعارف نے ذاتی رنگ اس وقت اختیار کیا جب "ندا" کے شمارہ ۲ جنوری ۹۰ء میں میرا انٹرویو شائع ہوا۔ میں اس وقت جمعیت علماء پاکستان (نورانی گروپ) کا رکن تھا۔ "ندا" کا باقاعدہ قاری ہونے کے ناطے سے مجھے مرحوم کی تحریر نے خاصا متاثر کیا جو مرصع، مسجع، خوش بیان اور بامقصد ہوا کرتی تھی۔ مرحوم آزاد اور صائب رائے کے مالک ہوتے ہوئے وابستگیوں سے بالاتر ہو کر معاملہ فہمی کے عادی تھے۔

میری بالمشافہ ملاقات ان سے اگست ۱۹۹۳ء میں ہوئی جب میں نے تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت اختیار کی۔ اگرچہ اس کے بعد بھی ملاقات اکثر ہفتہ وار ہی مرکزی اسرے کی میٹنگ میں ہوتی، تاہم طویل غائبانہ تعارف کی بنا پر اور ان کی پرکشش شخصیت کے نتیجے میں بہت جلد ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقع میسر آیا۔ دو تین مرتبہ ان کے گھر خیام بنو محتار جانا ہوا تو ان کی امارت، نفاست اور دینداری کا حسین امتزاج خوب نمایاں تھا۔ گویا فی زمانہ ایک کھاتے پیتے، تعلیم یافتہ، باشعور، سلیقہ مند، دین دار گھرانے کا اعلیٰ نمونہ دیکھا۔ ذاتی سطح پر مرحوم صاف ستھری عادات، نکھری ہوئی شخصیت اور پروقار انداز کے مالک تھے۔ تنظیم اسلامی کے رہنما کی حیثیت سے انہوں نے فرمانبردار بھائی، نظم و ضبط کے پابند رکن اور کامیاب ناظم کے طور پر اچھی مثال قائم کی۔ اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے۔○○

وہ ایک زیرک، معاملہ فہم اور بیدار مغز انسان تھے

مختار حسین فاروقی

ناظم حلقہ جنوبی پنجاب

محترمی جناب اقتدار احمد صاحب سے میری شناسائی ۷۱ء سے تھی، اس میں وقت کے ساتھ اضافہ بھی ہوا۔ اس دوران میں راقم کو انہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ہاں آتے جاتے، ان کے کاروباری دفتر میں بیٹھتے اور دوسرے معاملات نمٹاتے دیکھنے کا موقع ملا۔ راقم نے انہیں ایک زیرک، معاملہ فہم اور بیدار مغز انسان پایا۔

سنا ہے ان کا ابتدائی دور بھی صحافت سے وابستہ تھا۔ وہ کوثر و تسنیم کا دور کیسا تھا، راقم کو اندازہ نہیں ہے مگر ساٹھ کے عشرہ سے جب وہ انجینئرنگ کے شعبہ سے وابستہ ہوئے، انجینئرنگ سیکھی، تعمیرات کے میدان میں داخل ہوئے اور نہ صرف نام پیدا کیا بلکہ خوب پیسا بھی کمایا۔ یہ دور دنیاوی اعتبار سے ان کے عروج کا دور ہے۔ تعمیرات کی دنیا میں آنے کے بعد جب انہیں ٹھوس زمینی حقائق سے واسطہ پڑا، کاروباری معاملات کے لئے گھاگ قسم کے چوٹی کے کاروباری اداروں سے لین دین ہوا اور اہل ثروت کے رنگ ڈھنگ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو میں سمجھتا ہوں ان کی جو اندرونی شخصیت صحافت کے خمیر سے تیار ہوئی تھی اس کو ان ذاتی اور ٹھوس تجربات اور مشاہدات سے جلا ملی۔ اس دوران انہیں ملک سے باہر بھی سفر کے بے شمار مواقع ملے اور سعودی عرب اور لیبیا کے ممالک میں کام کے بھی۔ ۸۶ء میں ان کے بیٹے اور داماد کے حادثہ نے اس میں سوز اور درد کی کیفیت بھی شامل کر دی۔ اس دوران وہ تنظیم اسلامی میں شامل ہو کر ڈاکٹر اسرار احمد کے دست و بازو بھی بن گئے۔

نتیجتاً جب انہوں نے ۸۸ء میں ندا جاری کیا اور ہاتھ میں قلم لیا تو ان کی تحریر میں روانی اور پختگی تھی۔ ان کے تجزیئے نہایت جاندار اور مدلل و موثر ہوتے تھے۔ اختلاف کا حق تو ہر ایک کو ہے اور کیا بھی جا سکتا ہے مگر وہ جس طرح سے اپنے موقف کو پیش کرتے تھے اور بے لاگ طریقے سے سامنے لاتے تھے، یہ انہیں کا حصہ تھا۔

انہی کی تربیت سے ان کی اولاد بھی اقامت دین

کی جدوجہد اور تحریک رجوع الی القرآن کی کوششوں میں پیش پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ثابت قدمی دے تاکہ مرحوم کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہو سکے۔

مرحوم کا جاری کردہ ہفت روزہ "ندا" جو بعد میں "ندائے خلافت" بنا' دنیا میں نظام خلافت کا داعی و نقیب تھا۔ قرآن و حدیث کے محکم دلائل کی بنا پر یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ چونکہ مستقبل میں یہ نظام عالمی سطح پر غالب ہونے والا ہے لہٰذا اس نئے دور کے نقیب کی حیثیت سے "ندائے خلافت" اور "مدیر" ندائے خلافت کی حیثیت سے جناب اقتدار احمد صاحب کا نام بھی تادیر زبان زد خاص و عام رہے گا۔ بقول سعدیؒ یہ مقام بلند مرحوم کے ہی حصے میں آیا ہے--ع

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم (اور ہماری) خطاؤں سے درگزر فرمائے' مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں خاص جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل ارزانی عطا فرمائے۔ آمین OO

آہ ! اقتدار احمد

سید نسیم الدین
ناظم حلقہ سندھ بلوچستان

بھائی اقتدار احمد مرحوم سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ گذشتہ ماہ ۱۸/ تاریخ کو جب میں نے بھائی اقتدار مرحوم کے ساتھ ان کے دولت خانہ پر نماز مغرب ادا کی تھی تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ میری ان سے آخری ملاقات ہو گی اور "کمر باندھے ہوئے چلنے کو "وہ" تیار بیٹھے ہیں"۔ لیکن موت سے کس کو رستگاری ہے "آج وہ کل ہماری باری ہے"۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان موت کے لئے کتنی تیاری کرتا ہے۔ بھائی اقتدار احمد مرحوم کو اللہ پاک نے بڑا نوازا تھا۔ "دولت علم" سے بھی اور "دولت سرمایہ" سے بھی۔ انہوں نے یہ سب کچھ اللہ کے دین میں لگا دیا۔ قلم کو استعمال کیا تو دین کی خاطر۔ یہ ان کی خوبی تھی کہ دین کے لئے اپنی تحریروں میں بھی اپنے قلم کی شگفتگی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جو کچھ بھی سرمایہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مہیا کر رکھا تھا اس سے انفاق فی سبیل اللہ سے کبھی گریز نہ کیا۔ وہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے چھوٹے بھائی تھے لیکن جب انہوں نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے ہاتھ پر بیعت کی تو بیعت کے سارے تقاضے پورے کئے۔ میری ان سے لاہور میں اور کراچی میں ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں' جس میں کہ انہوں نے ہمیشہ انتہائی انکساری اور محبت کا مظاہرہ کیا۔ انفاق مال ہو یا بذل نفس کسی معاملے میں وہ پیچھے نہیں رہے۔ "ندائے خلافت" کو انہوں نے تنظیم کے انقلابی فکر کی اشاعت کا ذریعہ بنا دیا تھا۔ عطاء الحق قاسمی نے لکھا ہے کہ "یہ پرچہ ڈاکٹر اسرار احمد کی تنظیم اسلامی کا ترجمان تھا چنانچہ اس کے بیشتر مضامین میں تنظیم کا نقطہ نظر جھلکتا تھا جس سے مجھے اتفاق نہیں ہے"--- کتنے ہی ان کے اور احباب ہوں گے جنہیں ان کی یہ ادا بھائی نہ ہو گی۔ لیکن وہ بیچارے بھی کیا کریں۔ ان کا گزر کبھی ان گلیوں سے ہوتا جن سے دین حق کا قافلہ گزرتا ہے تو انہیں احساس ہوتا کہ انقلاب کے راستے کے جھاڑ جھنکار کو صاف کرنے کی اہمیت کیا ہے۔

یادِ یارِ مہرباں آید ہمے

شیخ جمیل الرحمٰن

بھائی اقتدار احمد ۷ جون ۹۵ء کی شب آخر کے وقت تین بجے کے قریب اس اٹل قانون خداوندی کے مطابق کہ :ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا' وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دینی اعتبار سے موت بالکلیہ معدوم ہونے کا نام نہیں۔ یہ تو انسان کا اپنے دائمی و ابدی مستقر و مقام کی طرف مراجعت کا ایک عمل ہے۔ یہ تو ایک بندۂ مومن کے لئے محبوب حقیقی کے وصل سے جلد شاد کام ہونے کی نوید ہے۔ اسی فکر و نظر کے باعث ہمارے یہاں "موت" کے لئے وصال' انتقال اور رحلت کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا ہے اور خوب کہا ہے کہ ۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اسی اعزاز و تکریم والے استقبال کی بشارت و نوید جاں فزا رب رحمان و رحیم نے اپنے مومن و مقبول بندوں کو اپنی کتاب عزیز میں بایں الفاظ مبارکہ دی ہے کہ :یاایتھا النفس المطمئنہO ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہO فادخلی فی عبادیO وادخلی جنتیO

جن لوگوں کے بھی اقتدار بھائی سے قریبی روابط و تعلقات رہے ہیں ان کا دل اور زبان' اور ان کے احساسات و تاثرات گواہی دیتے ہیں کہ مرحوم ایک بندۂ مومن' مرد صالح اور خدا ترس انسان تھے۔ اس عاجز کے ایک متدین کرم فرما یہ کہا کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک کسی کے "دین دار" ہونے کی نمایاں پہچان یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ وہ اپنی اولاد اور گھر والوں کی تربیت کس انداز سے کر رہا ہے! اس اعتبار سے اقتدار بھائی ایک مثالی شخصیت تھے۔ ان کے سب بچے بچیاں' ان کے سب گھر والے (DEPANDANT) بفضلہ تعالیٰ اور ان کی تربیت کے باعث نہایت نیک اور صالح ہیں۔ تنظیم اسلامی' دعوت رجوع الی القرآن اور قیام نظام خلافت کی تحریکات سے ذہناً و عملاً وابستہ ہیں۔ ان کے گھر میں مکمل طور پر شرعی پردہ (حجاب) نافذ ہے جو بہت سے رجال دین میں عنقا ہے۔ اس اعتبار سے اقتدار بھائی کا مثالی کردار رہا ہے' جو رب کریم کے دامن رحمت میں جگہ پانے کا موجب بنے گا۔ رحمت خداوندی کے بغیر کسی انسان کی بخشش نہیں حتیٰ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ارشاد کے بموجب کہ آنحضورؐ خود بھی اللہ جل جلالہ کی رحمت کے محتاج ہیں' اس فضیلت کبریٰ کے پیش نظر ان کے تمام متعلقین' اقربا و احباب کی صمیم دل سے یہ دعا ہونی چاہئے کہ رب کریم اپنی شان رحمانی و حلیمی اور غفاری کے طفیل بھائی اقتدار احمد کو فی الواقع "مرحوم" ہونے کی سعادت سے بہرہ مند فرمائے۔

بھائی اقتدار احمد کی دائمی مفارقت ان کے عزیزوں اور قرابت داروں کے لئے تو بلاشبہ ایک دل فگار سانحہ و حادثہ ہے' جس کے لئے ان کو صبر جمیل عطا ہونے کی رب کریم سے دعا ہے۔ البتہ تنظیم اسلامی' انجمن خدام القرآن اور تحریک خلافت پاکستان کے لئے ان کی ہمیشہ کے لئے یہ جدائی عظیم ترین نقصان ہے۔ ——————— آج سے قریباً بارہ سال پہلے کے اقتدار کو (ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے علاوہ جن کو قرآن حکیم کے طالب علم

"ان کا گھر گویا فی زمانہ ایک کھاتے پیتے' تعلیم یافتہ' باشعور' سلیقہ مند' دیندار گھرانے کا اعلیٰ نمونہ تھا"

ہونے کے باعث مومنانہ فراست اور مردم شناسی کی صفت عطا ہوئی ہے) دیکھ کر کون یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس مہندس میں ایک انشاء پرداز اور منفرد نوع و طرز کا ایک ادیب بھی مخفی ہے۔ بڑے بھائی ہونے کے ناطے اور خاصے طویل عرصہ تک ہم جلیس و ہم صحبت اور ہم خیال ہونے کے باعث یقیناً ڈاکٹر صاحب کو یہ اندازہ ہو گا کہ ان کے اس بھائی نے "بڑی حساس طبیعت بھی پائی ہے اور ادب عالیہ کے مطالعہ کا ذوق و شوق بھی"--- حساس طبائع کو فطری و طبعی طور پر قدرت کی طرف سے تیز حافظہ بھی ودیعت ہوتا ہے اور وافر مقدار میں فہم و ادراک کی دولت بھی ملتی ہے۔ ایسے شخص کو اگر موقع ملے تو ان خداداد صلاحیتوں کا بھرپور ظہور ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے بھائی کی اس خفتہ استعداد کو بیدار اور جلا دینے کے لئے قریباً دس سال قبل ماہنامہ "میثاق" کا اداریہ تحریر کرنے کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جسے موصوف نے نہایت عمدگی سے نبھایا۔

راقم کی ناچیز رائے میں اقتدار بھائی کو اپنی اس مخفی و خفتہ صلاحیت کا خود بھی اندازہ نہیں تھا۔ فرائض دینی کے جامع تصور اور اقامت دین کی جدوجہد کی فرضیت کی جو چنگاری اور جوت اپنے بھائی کے دروس قرآن حکیم' خطابات' تبادلہ افکار و خیالات اور صحبت سے دل میں جگائی تھی اور فکر و نظر کے خیاباں میں جو کلی یا غنچہ کھلایا تھا' اس کو شعلہ اور ایک معطر پھول بننے کے لئے وسیع تر میدان کی ضرورت تھی۔ "میثاق" کے اداریوں کی نگارش سے جب یہ حقیقت ان پر منکشف ہوئی کہ ان میں عطیہ خداوندی کے طور پر لکھنے کی استعداد و صلاحیت موجود ہے۔ لہٰذا کیوں نہ اس کے لئے ایک وسیع تر میدان تلاش کیا جائے۔ اور محض واعظانہ تحریر پر اکتفا کرنے کے بجائے کیوں نہ ایک نیم سیاسی و نیم ادبی ہفت روزہ جریدے کو ادبی انداز و طرز تحریر دے کر دعوت تبلیغ دین کا "مناد" بنایا جائے۔ اس خیال کے تحت بہت جلد "ہفت روزہ ندا" کی صورت میں دعوت و تبلیغ کے افق پر ایک سورج طلوع ہوا جس نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک منفرد و جدید انداز سے دینی' دعوتی' تبلیغی اور سیاسی ماحول کو منور کر دیا۔ ادب کی حلاوت اور لطیف طنز کی چاشنی سے معمور اقتدار بھائی کے اداریئے' شذرے' تبصرے' تجزیئے حتیٰ کہ سفرنامے خاصہ کی چیز بن گئے۔ ان میں یگانوں اور بیگانوں کے لئے دلچسپی کے ساتھ ساتھ غور و فکر اور اتفاق و اختلاف کے لئے وافر مواد (MATTER) موجود ہوتا تھا۔ اقتدار بھائی کی نئے رنگ کی شوخی تحریر نے بہت سے پرانے لکھنے والوں کی طرز نگارش کے رنگ کو پھیکا کر دیا تھا۔ (اس موقع پر اس بات کا اظہار غیر مناسب نہ ہو گا کہ "ندا" جب تک شائع ہوتا رہا' اس کے جملہ اخراجات مرحوم اپنی جیب سے کرتے رہے۔ نیز "ندا" کے مضامین کی کمپوزنگ وغیرہ کے لئے قریباً ڈیڑھ لاکھ کی رقم سے کمپیوٹر کے جملہ سیٹ خرید کئے گئے تھے' ان کو اس وقت بطور عطیہ تنظیم کے حوالے کر دیا جب "ندا" کو "ندائے خلافت" کے نام سے تنظیم کی جانب سے شائع کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور آج یہ سیٹ انجمن' تنظیم اور تحریک خلافت کے لٹریچر کی کمپوزنگ کے کام آ رہے ہیں)--- پھر مرحوم کا تنظیم اسلامی' انجمن خدام القرآن' تحریک خلافت سے جو والہانہ و فداکارانہ تعلق خاطر تھا' ان تمام اعتبارات سے ان کی وفات سے ان تحریکوں اور اداروں کو بظاہر ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ بقول اقبال ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

کون انسان ہو گا جس میں بربنائے بشر کمزوریاں نہ ہوں۔ راقم اپنے ذاتی تجربہ کی بنیاد پر عرض کرتا ہے کہ بھائی اقتدار احمد مرحوم بحیثیت مجموعی محاسن کا پیکر تھے۔ انکسار و تواضع کے جوہر سے مالا مال تھے اور سیمابی طبیعت کے حامل تھے۔ راقم کا مرحوم سے قریبی تعلق ۱۹۷۳ء کے اوائل سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ کے دعوت رجوع الی القرآن کے ضمن میں شہر کراچی میں ماہانہ ورود مسعود کے باعث قائم ہوا۔ اس تعلق میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا اور ان کی خوبیاں راقم پر منکشف ہوئی۔ ابتدائے تعلق ہی سے راقم کو اندازہ ہوا کہ محترم ڈاکٹر صاحب سے ان کو صرف محبت ہی نہیں ہے جو سعادت مند انسان کو رحمی رشتہ کی بنیاد پر اپنے بڑے اور چھوٹے بھائیوں سے ہوتی ہے بلکہ نہایت احترام و عقیدت اور شدید محبت بھی ہے اور اس والہانہ محبت کا باعث یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے داعی اعظم' محسن انسانیت' خاتم النبیین' آخر الرسل' رحمتہ اللعالمین' سرور دو عالم جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں ان کے اس بڑے بھائی کو دعوت رجوع الی القرآن کے داعی ہونے کی سعادت سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ پھر جوں جوں ڈاکٹر صاحب کے قدم آگے بڑھتے گئے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو اقامت دین کی جدوجہد کرنے والی تنظیم قائم کرنے کی بھی سعادت ملی' توں توں اقتدار بھائی کی عقیدت' احترام اور محبت میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا۔ شاید اس امر واقعہ کے اظہار کے لئے ان کی وفات پر ڈاکٹر صاحب کی زبان پر یہ الفاظ آئے کہ "اقتدار احمد ہر معاملہ میں میرے ساتھی اور مددگار تھے" تنظیم کے رفقاء میں سے جن اصحاب نے واقعتاً اور حقیقی طور پر اس کی دعوت کو سمجھا ہے' ان میں مرحوم بڑی نمایاں شخصیت تھے۔ مزید برآں بیعت سمع و طاعت کو پورے صغریٰ و کبریٰ کے ساتھ سمجھنے والے اور صحیح طور پر اس کے تقاضے ادا کرنے والے اس ناچیز کے تجربے اور رائے میں (چاہے اسے ناقص ہی کیوں نہ سمجھا جائے) تنظیم میں تناسب کے اعتبار سے کم ہی افراد ہوں گے' جن میں بھائی اقتدار احمد مرحوم اس عاجز کے نزدیک نمایاں ترین اشخاص میں سے ایک شخصیت تھے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں اور مقبول بندوں کو بہت پہلے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کی مہلت عمر اختتام پذیر ہے۔ چنانچہ ترکی کی روداد سفر میں جو "زبان یار من ترکی..." کے نام سے ان کے انتقال سے قریباً ڈیڑھ ماہ قبل کتابی شکل میں منصہ شہود پر آئی ہے' اس کے افتتاحیہ (مرقومہ ۱۶/۳/۹۵ء) رقم طراز ہیں کہ

> "میری زندگی کا آخری مرحلہ اس کڑے دن سے شروع ہونے والا ہے جب سورج سوا نیزے پر ہو گا مجھ سمیت ہر انسان پر ایک ہی فکر سوار ہو گی.... "نفسی نفسی"... اس روز بھی اگر "موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے ---- قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے" --- تو بیڑا پار ہو جائے گا"۔

بھائی اقتدار احمد مرحوم کے لئے ان کی صالح اولاد ایک جاریہ کا مقام رکھتی ہے۔ حسنات کے میدان میں وہ جتنا جتنا آگے بڑھیں گے' ان شاء اللہ العزیز مرحوم کے اجر و ثواب کا باعث ہو گا۔ ان کے اقرباء و احباب' حلقہ متعارفین اور بالخصوص رفقائے تنظیم و انجمن مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کو اپنی دعاؤں میں شامل کر کے اپنے تعلق خاطر کا اظہار کر سکتے ہیں۔OO

اقتدار احمد'
ایک کامیاب انسان

سردار اعوان

تنظیم اسلامی کے حوالے سے مرحوم اقتدار احمد سے شناسائی تو بہت پہلے سے تھی۔ ستمبر ۸۵ء میں پشاور میں تنظیم کا ایک علاقائی اجتماع ہوا تھا۔ غالباً وہاں پر پہلی مرتبہ میرے علم میں آیا تھا کہ آپ امیر محترم کے چھوٹے بھائی ہیں اور اظہار لمیٹڈ کے مالک ہیں۔ جنوری ۹۲ء میں جب ندا' ندائے خلافت میں تبدیل ہوا تو انہوں نے اس کی ادارت کے لئے قرآن اکیڈمی آنا شروع کیا اور اس طرح مجھے ان کا قرب حاصل ہوا۔ اگرچہ تنظیم میں اپنی standup اور دینی و دنیوی کے اعتبارات سے علم و تجربے میں مجھ سے بہت آگے تھے لیکن دن بدن بگڑتے ہوئے ملکی حالات اور کسی مثبت تبدیلی کے معدوم ہوتے ہوئے امکانات پر دوسروں کے علاوہ وہ ہمیشہ میری رائے بھی طلب کرتے۔ شاید ہی کوئی دن جاتا جب ہمارا آپس میں تبادلہ خیالات نہ ہوتا۔ فرق صرف یہ تھا کہ انہوں نے چونکہ اپنی بیشتر توانائیاں احیاء دین کی جدوجہد میں صرف کی تھیں اس لئے وہ مایوسی سے بڑھ کر صدمے کی کیفیت سے دوچار ہوتے نظر آتے جبکہ میں کبھی بھی پرامید ہی نہیں رہا اس لئے مایوسی پر قانع ہوں۔

میرے خیال میں روزنامہ "پاکستان" میں شائع ہونے والی زندگی کی آخری تحریریں ان کی اسی بے چینی اور صدمے کی مظہر تھیں (روزنامہ پاکستان میں ان کا آخری کالم ۲۵/ مارچ ۱۹۹۵ء کو شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد علالت کے باعث وہ یہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے) میں نے انہیں بہت ہی حساس پایا۔ ہر ادیب اور قلم کار کی طرح انہیں بھی اپنی تحریروں سے بہت لگاؤ تھا۔ گویا وہ ایک سچے تخلیق کار تھے جو بجا طور پر چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق کو سراہا جائے۔ انہیں اس امر کی شکایت رہی کہ رفقاء تنظیم اسلامی میں بھی ان کی تحریروں اور "ندائے خلافت" کو پڑھنے والے کم تھے۔ ان کی کاروباری زندگی کے حوالے سے دیکھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ بہت ہی باعمل انسان تھے یعنی وہ گوناگوں خوبیوں کے مالک تو تھے ہی' لیکن محض نظریاتی آدمی نہیں تھے۔ میرا تعلق بہرحال ان سے ان کے دینی اور سیاسی موقف کے حوالے سے تھا اور وہ بھی ان کی زندگی کے آخری حصے میں۔ دینی لحاظ سے قدرتی طور پر سب سے اہم معاملہ نجات اخروی کا ہے۔ میرا پلڑا اعمال سوائے ایک تنظیم اسلامی میں شمولیت کے خالی ہی خالی ہے۔ عمر کے آخری حصہ میں تو یوں بھی انسان عام طور پر آخرت کے بارے میں سوچنے لگتا ہے۔ لہٰذا میرا فکرمند رہنا تو بلاجواز نہیں مگر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بعض اوقات وہ مجھ سے بھی زیادہ اس بارے میں متفکر ہیں' شاید یہ بھی ان کی بہت زیادہ حساسیت کا مظہر تھا۔

چند ماہ قبل ایک روز اچانک جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ بھئی میں اب تھوڑے دنوں کا مہمان ہوں' میرا آخری وقت بالکل قریب آ چکا ہے تو کسی نے بھی ان کی اس بات کو سنجیدگی سے نہ لیا۔ اس لئے کہ بعض معمول کے جسمانی عوارض کے سوا جو اس عمر کا خاصہ ہیں' انہیں بظاہر ایسی کوئی تکلیف نہ تھی جو ان کی اس بات کے لئے جواز فراہم کرتی۔ خاص کر میں اس معاملے میں بالکل "پتھردل" واقع ہوا ہوں۔ حالانکہ اس سے قبل مجھے اس کا تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ تھوڑے ہی سال ہوئے میری ایک بیٹی کا انتقال ہوا' وہ بار بار اپنی موت کا یقین دلا رہی تھی مگر میں اس کی بات کا سنجیدگی سے نوٹس لینے کو تیار نہیں تھا۔ (میرے دل پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا) اقتدار مرحوم تو کئی ماہ سے اس طرح تیاری کر رہے تھے گویا انہیں اپنی تاریخ وفات کا بھی تعین کے ساتھ علم ہو چکا ہے لیکن میں کسی طور پر باور کرنے کو تیار نہیں کہ وہ بہت جلد ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہونے والے ہیں۔ میں جب بھی جمعہ اکیڈمی میں پڑھتا تو نماز کے بعد گیٹ پر ان سے ضرور ملاقات ہوتی۔ (۲۶/ مئی کا جمعہ انہوں نے اکیڈمی میں پڑھا مگر گیٹ پر رکے نہیں' جب میں نے دیکھا تو گاڑی میں بیٹھ رہے تھے اور میں نے روکنا مناسب نہ سمجھا) ان کے انتقال کے بعد پہلا جمعہ (۹/ جون) اکیڈمی میں پڑھا اور گیٹ کے قریب جا کر یاد آیا کہ اقتدار تو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

۶/ جون بروز منگل نماز فجر کے لئے جاتے ہوئے جب یہ اطلاع ملی کہ قریباً ۳/ بجے صبح وہ انتقال کر گئے ہیں تو پتہ چلا کہ وہ کس قدر سچ کہہ رہے تھے مگر یہ پچھتاوا بہت رہے گا کہ اگر پہلے ان کی بات سچ مان لیتے تو بات ہی اور ہوتی۔ جب کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ بہت ہی کم عرصے کے لئے ہم میں موجود ہے' اس کے بعد اس دنیا میں اس سے کبھی ملاقات نہ ہو سکے گی تو اس شخص کے ساتھ ہمارا جو رویہ ہو گا اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بس ایک پچھتاوا' ہے جو باقی رہے گا۔

اقتدار احمد دنیاوی زندگی کے تمام مراحل احسن طور پر طے کر کے اخروی زندگی میں قدم رکھ چکے ہیں۔ ۶/ جون' نماز عصر کے بعد قرآن اکیڈمی سے ملحق پارک میں لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جا رہے تھے۔ آج کل کے معیارات کے اعتبار سے اقتدار احمد کوئی بہت بڑی سیاسی یا دینی اور روحانی شخصیت شمار نہیں ہوتے تھے لیکن جنازہ میں شرکت کے لئے آنے والے حضرات کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ کامیابی دنیاوی ہو یا آخرت کی' کچھ کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور ایسے خوش نصیب لوگ کم ہی ہوتے ہیں جو کچھ کر کے یہاں سے جاتے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ وہ اللہ کے ہاں سرخرو ہوں گے' اللہ ان کی کوتاہیوں سے درگزر کرتے ہوئے ان کی نیکیوں کو شرف قبول عطا فرمائے گا اور انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے گا' اب دیکھنا یہ ہے کہ اپنا معاملہ کیا ہوتا ہے۔○○

آسماں تیری لحد پر گوہرافشانی کرے

محمد سمیع' کراچی

محترم بھائی اقتدار احمد مرحوم نے اپنے مخصوص انداز میں میری حوصلہ افزائی کرتے ہوئے تحریر کیا تھا کہ "ہمارے رفیق کار اور قلمی معاون محمد سمیع صاحب بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں اور ہوئی صبح اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے' کی قلمی تصویر بھی ہیں"۔ قلمی تصویر کا جو نقشہ انہوں نے کھینچا تھا اس فریم میں ' میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ اور جو قلمی نام (میم سین) میں نے اختیار کرنے کی کوشش کی تھی وہ انہیں پسند نہیں تھا۔ وجہ وہ یہ بیان کرتے تھے کہ آخر پردے کے پیچھے چھپنے کی کیا ضرورت ہے۔ تاہم اس نام کو انہوں نے مسترد بھی نہیں کیا تھا اور اس کا ایک فائدہ احقر کو یہ پہنچتا تھا کہ "ندائے خلافت" کے ایک ہی شمارے میں اکثر میرے دو مضامین چھپ جایا کرتے تھے۔ بہرحال میں مرحوم کو اپنا حقیقی محسن سمجھتا ہوں

"وہ ایک ایسے شخص کے نہ صرف بھائی تھے بلکہ ہر معاملے میں ممد و معاون تھے جس کو میں نے ٹوٹ کر چاہا"

کہ انہوں نے میری "اناپ شناپ" تحریروں کو نہ صرف شائع کیا بلکہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس موقع پر میں تنظیم کے دو بزرگ رفقاء شیخ جمیل الرحمٰن اور نجیب صدیقی صاحبان کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جنہوں نے میری ہمت بڑھائی اور مجھ میں لکھنے کا حوصلہ پیدا کیا۔ میری دعا سفر آخرت پر روانہ ہو جانے والے کے لئے یہ ہے کہ "آسماں تیری لحد پر گوہر افشانی کرے" اور ان بزرگوں کے لئے یہ کہ "یہ سلامت رہیں ہزار برس۔ ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار"۔

میرا مزاج لڑکپن سے ادیبانہ ہے۔ ظاہر ہے کچھ لکھنے کے لئے پڑھنا ضروری ہے لہٰذا عمر عزیز کا بیشتر حصہ اچھی تحریروں کو پڑھنے میں گزارا۔ اسکول کے زمانہ میں گھر کی بڑی بوڑھیاں خط لکھوانے کے لئے میری خدمات حاصل کرتی تھیں اور ان کی فرمائش پر کچھ اس قسم کے خطوط لکھا کرتا تھا "ہم سب خیریت سے ہیں اور آپ لوگوں کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب ہیں دیگر احوال ضروری یہ ہے کہ ....." اور آخر میں اکثر یہ جملہ بہت اصرار کے ساتھ لکھوایا جاتا کہ "اس خط کو تار سمجھو۔ فوراً روانہ ہو جاؤ' اس طرح کہ اگر کھانا وہاں کھاؤ تو پانی یہاں آکر پیو وغیرہ وغیرہ"۔ اس زمانے میں بچوں کے رسالے زیر نظر رہتے تھے اور "ہمدرد نونہال" تو وہ رسالہ ہے جسے نہ صرف میں نے بڑی باقاعدگی کے ساتھ پڑھا ہے بلکہ میری بچیوں نے بھی میرے اس شوق کو وراثت میں حاصل کیا ہے۔ ابن صفی کی جاسوسی ناولوں میں شاید ہی کوئی ناول چھوٹی ہو۔ نقاش فطرت ایم اسلم اور تاریخی کہانیاں لکھنے والے نسیم حجازی کی ضخیم کتابیں بھی پڑھی ہیں۔ ایم اسلم واقعی نقاش فطرت تھے۔ ان کی ناولوں میں کہانی مختصر لیکن فطرت کی نقاشی طویل ہوا کرتی تھی۔ نسیم حجازی کی یوسف بن تاشفین اور تلوار ٹوٹ گئی اور آخری چٹان کو تو میں آج تک نہیں بھولا۔ مزاح نگاروں میں شوکت تھانوی' افسانہ نگاروں میں سعادت حسن منٹو اور کالم نگاروں میں ابراہیم جلیس اور مجید لاہوری جیسے مشاہیر کو پڑھا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ مزاح نگاری کے ادب کی طرف میرا میلان زیادہ رہا ہے۔

جب اللہ عزوجل نے اسفل سافلین کی حد تک پہنچے ہوئے اپنے اس بندے پر کرم کیا تو مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن اور ان کی بیشتر کتابیں پڑھ ڈالیں۔ ان کی تحریروں کو پڑھ کر بابائے اردو مولوی عبدالحق بہت یاد آئے جو بہترین ادب اس تحریر کو قرار دیتے تھے جس کی زبان آسان ہو۔ مجھے یاد آیا کہ میٹرک میں میرے کلاس ٹیچر شاہ درویش صاحب ہوا کرتے تھے' جن کا تعلق لکھنؤ سے تھا۔ ان کی نازک مزاجی کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شعر غلط پڑھتا تو اس سے پوچھتے کہاں کے رہنے والے ہو۔ جواب ملتا کہ بہار کے' تو جواب ملتا اماں جاؤ بانگڑو کہیں کے۔ پھر کہتے میاں گانے سننے کا شوق ہے۔ کہتا نہیں' تو کہتے فلم دیکھتے ہو' کہتا پیسے کہاں سے لاؤں تو کہتے مجھ سے لے لیا کرو۔ یہ فلمیں دیکھا کرو۔ گانے سنا کرو تو شعر کو درست پڑھنے کا سلیقہ آئے گا۔ لیکن عجیب بات تھی کہ لکھنؤ سے تعلق ہونے کے باوجود سلیس زبان زیادہ پسند کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے پوری کلاس کے طلباء سے کہا کہ علامہ اقبال کے اس شعر کی تشریح لکھ کر لائیں۔ "برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح۔ اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن" مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس شعر کی تشریح پورے ایک صفحہ میں لکھنے کے بعد میں بڑی شان سے انہیں اپنی کاپی دکھانے کے لئے گیا تو انہوں نے کاپی کو ایک زناٹے کے ساتھ کلاس روم سے باہر پھینک دیا۔ میں نے پوچھا سر کیا ہوا؟ فرمانے لگے میاں میں نے شعر کی تشریح لکھنے کو کہا تھا افسانہ نگاری کرنے کو نہیں۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا یہ بڑا عظیم کارنامہ ہے کہ انتہائی سلیس زبان میں دین اسلام کے سارے نشیب و فراز کو تحریری شکل دے دی' جس سے نہ صرف دنیا بھر کے مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی استفادہ کر رہے ہیں۔ بعدازاں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی تحریروں سے سابقہ پڑا۔ ان کی تحریروں سے اندازہ ہوا کہ ادب کی دنیا میں "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔ گو کہ اکثر لوگوں کو یہ شکایت رہتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ لیکن کیا کیا جائے کہ قرآن کریم سے ہمہ وقت تعلق نے ان کی تحریروں میں عربی زبان کی اصطلاحات کے استعمال کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ سونے پر سہاگہ کا کام فارسی اشعار دیتے ہیں۔ ہمارے دور تک تو طالب علمی کے زمانے میں فارسی کو بحیثیت اختیاری مضمون پڑھایا جاتا تھا اور میں آج تک اپنے ان شیعہ اساتذہ کی شفقتوں کو نہیں بھولا جو انتہائی محبت کے ساتھ ہمیں فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ اس وقت نہ کوئی شیعہ کافر ہوا کرتا تھا اور نہ دیوبندی بریلوی کی کوئی تقسیم تھی۔ شاید یہ بھی تمدنی ارتقاء کا ایک حصہ ہے۔ شروع شروع میں مجھے بھی ڈاکٹر صاحب کی تحریروں کو پڑھنے میں کافی دشواری محسوس ہوتی تھی۔ لیکن الحمدللہ کہ جو بھی فارسی پڑھی ہے اور جیسے جیسے قرآن کریم سے تعلق میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے' ان کی تحریروں کی چاشنی سے نہ صرف لطف اندوز ہوتا ہوں بلکہ لاشعوری طور پر ان کے انداز کو اپنانے کی بھی کوشش کرتا ہوں۔

حال ہی میں ابوالکلام آزاد کی چند خوبصورت تحریریں نظر سے گزریں لیکن اقتدار احمد صاحب مرحوم کی تحریروں میں ایک انفرادیت ہے۔ ترقی پسند ادب سمیت ادب کے دوسرے گوشوں میں طنز و مزاح سے بہت لطف اندوز ہوا لیکن "رجعت پسند" یعنی دینی تحریروں میں یہ اعزاز غالباً صرف انہی کو حاصل ہے۔ شروع شروع میں مجھے بھی یہ بات کھلتی تھی کہ دعوت دین اور طنز و مزاح؟ دونوں یکجا کیسے کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن جب ان کی تحریروں کو پڑھنے کا عادی ہوا تو مجھے یہ محسوس ہوا کہ "انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے۔ شاید کہ اثر جائے تیرے دل میں میری بات" والی کیفیت ان کی تحریروں میں موجود ہے۔ قاری ان کی تحریروں کو پڑھ کر چونکتا ضرور ہے' گو کہ اس کا رویہ یہ جتلاتا ہے کہ "انداز بیاں گرچہ بہت شوخ ہے لیکن۔ ہرگز نہیں اترے گی میرے دل میں تیری بات" لیکن بہرحال وہ ان کی تحریر کی کاٹ کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مرحوم اقتدار احمد صاحب سے میری ملاقاتیں اول تو بہت کم ہوئیں اور جو ہوئیں بھی تو بہت ہی مختصر۔ کچھ عرصہ قبل ان کا کراچی آنا ہوا تو میں ان سے ملنے فاران ہوٹل پہنچا۔ مرحوم کی کمپنی کو نیشنل اسٹیڈیم کراچی کے Renovation کا ٹھیکہ ملا تھا۔ ان کی کراچی آمد اسی سلسلے میں ہوئی تھی۔ کراچی کی صورت حال جاننے کے لئے وہ بہت بے چین نظر آ رہے تھے۔ مختلف احباب سے گفتگو جاری تھی۔ مختلف موضوعات سے گزرتی ہوئی گفتگو کراچی کی صورت حال کی طرف لوٹ آتی۔ حقیقت یہ ہے کہ کراچی کی موجودہ صورت حال سے کوئی بھی محب وطن فرد صرف نظر نہیں کر سکتا۔ پاکستان بھر کے تمام درد مند دل رکھنے والے حضرات اس شہر پر آشوب کے لئے مضطرب ہیں۔ کراچی جو پاکستان کی اقتصادی شہ رگ ہے' جس کے بغیر پاکستان کا تصور محال ہے۔

کیا یہ بھی مشرقی پاکستان کی طرح ہمارے ہاتھوں سے نکل جانے کو ہے۔ یہ سوال ہر شہری کے لئے پریشان کن ہے۔ مرحوم اقتدار احمد بھی کراچی کے مسئلہ پر بہت پریشان رہتے تھے۔

میری آخری ملاقات مرحوم سے ماہ اپریل میں منعقد ہونے والے ملتزم رفقاء کے مشاورتی پروگرام کے دوران لاہور میں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قرآن کالج کے ایک گوشہ میں واقع کمرہ میں موجود ہیں۔ ان کے کمرے میں پہنچا اور ان پر نظر پڑی تو ایک لمحہ کے لئے ٹھٹک سا گیا۔ ان کو دیکھ کر کسی خلانورد کا حلیہ نگاہوں کے سامنے آگیا۔ آکسیجن ماسک ان کے چہرے پر چڑھا ہوا تھا' جس کی نالی آکسیجن سلنڈر کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ لیکن اس حال میں بھی ان کی پیشانی پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ گو کہ نقاہت چہرے سے عیاں تھی۔ اس حال میں بھی اجتماع میں شرکت کے ان شوق پر مجھے بڑا رشک آیا۔ ایک ہم ہیں کہ معمولی سا کوئی بہانہ ہاتھ آجائے تو اجتماع سے غیر حاضر ہونے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ اس بیماری کی حالت میں بھی ان کی نظم کی پابندی کا یہ عالم تھا۔ ہمارا تو حال یہ ہے کہ "نظم کی پابندی" کی بات سے الرجک رہتے ہیں کہ کیا موقع بے موقع نظم کی پابندی کی اہمیت جتائی جاتی ہے' کبھی تو اس اصطلاح کو ایک طرف رکھ دیا جایا کرے۔ لیکن درحقیقت تنظیم کا تصور نظم کے بغیر اسی طرح محال ہے جس طرح مکین کے بغیر مکان کا۔ بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے قوم کو جو تین نعرے دیئے تھے ان میں "اتحاد" اور "یقین محکم" کے بعد تیسری اصطلاح یہی "نظم" تھی۔ ہم نے ان کے تینوں نعرے بھلا دیئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارا پاکستان اور پاکستانی قوم کے وجود پر یقین محکم نہیں ہے اور اگر اتحاد ہوتا تو بنگلہ دیش کا ہے کو بنتا اور کراچی کی یہ صورت حال کیوں ہوتی۔ اور نظم کا مظاہرہ کسی ایسے چوراہے پر کھڑے ہو کر دیکھ لیجئے جہاں ٹریفک کا اژدھام ہو اور ٹریفک پولیس والا موجود نہ ہو۔ جب ایک دنیوی قائد کے دیئے ہوئے نعروں کو فراموش کر کے ہم اس حال تک پہنچ سکتے ہیں' وہ جو ہماری دنیا و آخرت دونوں کے ہادی و رہنما ہیں' فداہ ابی وامی' ان کے اصولوں کو فراموش کر کے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ کشمیر' برما' فلسطین' افغانستان' بوسنیا اور چیچنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو تصور میں لے آیئے آپ کو جواب مل جائے گا۔

پیارے قارئین! اس ہادی و رہنما صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر خود چلئے' دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کیجئے۔ اپنے آپ کو منظم کیجئے۔ انقلاب نبوی کی راہوں کو اختیار کیجئے۔ اگر بازی جیت لی تو کیا کہنے ہیں۔ پاکستان بھی جنت نشان بن جائے گا اور دنیا بھی اسلام کے عدل اجتماعی کے قیام کے نتیجے میں اسلام کی گود میں پناہ لے گی۔ اور "یکون الدین کلہ للہ" والی کیفیت طاری ہو جائے گی۔ وگرنہ بازی زندگی میں جیتنے کی بجائے اپنی زندگی بھی ہار بیٹھے تو بھی ہار نہیں۔ "جان دی دی ہوئی اس کی تھی۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا"۔ اقتدار احمد صاحب مرحوم سے سبق سیکھئے کہ ظالمانہ نظام کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے اعلاء کلمۃ اللہ کی جدوجہد میں تن من دھن کی بازی لگا کر اور اپنی زندگی کی بازی ہار کر بھی جیت گئے۔

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا لو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنا ہارے بھی تو بازی مات نہیں

آخر میں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے' ان پر حساب آسان فرمائے۔ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے ان رشتہ داروں کو بھی صبر جمیل عطر فرمائے جو ان سے خون کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے اور ہم رشتہ داروں کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے جو ان سے دین کے رشتے سے بندھے ہوئے تھے۔ آمین۔OO

میرے محسن کا سفر آخرت

شار احمد ملک

مجھے یاد ہے کہ محترم اقتدار احمد مرحوم سے میرا پہلا غائبانہ تعارف ۸۶ء میں ہوا جب میں ماہنامہ "میثاق" کا باقاعدہ خریدار اور قاری بنا۔ ان دنوں کبھی کبھار محترم اقتدار احمد مرحوم "عرض احوال" کے عنوان سے میثاق میں لکھا کرتے تھے۔ تاہم یہ بات میرے علم میں بہت بعد میں آئی کہ آپ محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے حقیقی بھائی ہیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے ۸۸ء میں ہفت روزہ "ندا" نکالا تو ان کے اداریوں اور سفرناموں سے ان کے صحافیانہ اور ادیبانہ جوہر کھل کر سامنے آئے۔ اس طرح ان کو شخصیت کا سکہ دل و دماغ پر بیٹھتا چلا گیا۔

افسوس کہ ہفت روزہ "ندا" کی صورت میں جو ایک موثر صدا بلند ہوئی تھی وہ بوجوہ برقرار نہ رہ سکی۔ "ندا" کی پالیسی سے جہاں بعض دوسرے رفقاء کو اختلاف تھا مجھے بھی تھا اور میں نے مرحوم اقتدار احمد کے نام اپنے خطوط میں اس کا اظہار بھی کیا تھا۔ لیکن ان کی بعض آراء اور انداز تحریر سے اختلاف کے باوجود میں "ندا" کا نہ صرف یہ کہ قاری رہا ہوں بلکہ اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے میں بھی پیش پیش رہا۔ "ندا" کا میں شدت سے انتظار کیا کرتا تھا۔

میرا اقتدار احمد مرحوم سے انتہائی قرب اس وقت پیدا ہوا جب میں نے اگست ۹۳ء میں ان کے معاون کی حیثیت سے "ندائے خلافت" میں کام کرنا شروع کیا۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کوئی انسان بھی بشری کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتا۔ یقیناً اقتدار احمد مرحوم میں بھی بعض شخصی کمزوریاں تھیں لیکن بحیثیت مجموعی وہ ایک انتہائی ذہین' دیندار اور محبت کرنے والے انسان تھے۔

میں نے ان کے ساتھ تقریباً دو سال کام کیا لیکن ان دو سالوں کے دوران مجھے ان سے صرف ایک شکایت پیدا ہوئی جس کا انہوں نے لب پر آنے سے پہلے ہی از خود ازالہ کر دیا۔ میں نے جب ابتداً ان کے ساتھ کام کرنا شروع کیا تو ایک دن مجھے کہنے لگے کہ آپ مجھے "Sir" کہہ کر نہ پکارا کریں۔ کچھ دنوں کے بعد پھر میری زبان سے یہی لفظ نکل گیا تو انہوں نے کسی قدر سختی سے کہا کہ بھائی ہم آپس میں رفقاء کار ہیں' افسر ماتحت نہیں لہٰذا مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ آپ مجھے میرے نام سے پکارا کریں۔ میں کم از کم اپنے حوالے سے یہ بات بلا جھجک کہہ سکتا ہوں کہ انہوں نے کبھی رکھ رکھاؤ اور پروٹوکولز وغیرہ خیال نہیں کیا۔ وہ نہ صرف وضع قطع میں بلکہ گفتگو تک میں کسی تکلف اور تصنع کو آڑے نہیں آنے دیتے تھے۔

اسی سال جب مارچ اپریل میں' میں اپنے بعض ذاتی مسائل کی وجہ سے رخصت پر جا رہا تھا تو چونکہ انہیں میرے بعض مسائل کا علم تھا لہٰذا کہنے لگے کہ آپ کو اگر پیسوں کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے بتانا' آپ کو جتنے پیسوں کی ضرورت ہو گی' ان کا انتظام میں کر دوں گا۔ یہ بات انہوں نے بتکرار کہی۔ مجھے فی الواقع پیسوں کی ضرورت نہ تھی لہٰذا میں نے ان کی اس پیشکش پر ان کا شکریہ ادا کیا۔ بہرحال ان کی اس

وہ راہ وفا کے راہرو ہی نہیں رہبر بھی تھے

پیشکش سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے رفقاء کے ذاتی مسائل میں کس قدر دلچسپی لیتے تھے۔

ایک دوسرے واقعہ کا بھی یہاں ذکر کرتا چلوں۔ یہ بات رفقاء واحباب کے علم میں ہو گی کہ محترم اقتدار احمد مرحوم دنیوی اعتبار سے صاحب ثروت تھے۔ وہ ایک مستحکم تعمیراتی ادارے کے مالک تھے لیکن میں کبھی بھی ان کے پاس کسی ذاتی ضرورت کے لئے نہیں گیا۔ ندائے خلافت میں ان کی معاونت اختیار کرنے سے ایک سال قبل میں اپنے ایک دوست اور رفیق، جو کہ بے روزگاری کے ہاتھوں خاصے پریشان تھے، کے جاب کے لئے سفارش کرنے ان کے پاس گیا۔ انہوں نے پہلے تو کہا کہ فی الفور تو کوئی ایسا کام نہیں جس پر ان کو لگایا جا سکے البتہ ایک ہفتہ کے بعد معلوم کر لینا۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ انہوں نے میری سفارش پر اس شخص کے لئے جاب پیدا کیا جبکہ انہیں حقیقی ضرورت بھی نہ تھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس سے پہلے مرحوم اقتدار احمد سے میری ایک ہلکی سی ملاقات کے علاوہ کوئی لمبی چوڑی علیک سلیک بھی نہ تھی۔ بہرحال یہ بھی ان کا مجھ پر ایک احسان ہے کہ انہوں نے میری سفارش پر ایک شخص کو اپنے ادارے میں سروس مہیا کی۔

یہاں میں ایک ضمنی واقعہ بھی ذکر کرتا چلوں جس سے مرحوم کی دور اندیشی کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چونکہ میں نے مذکورہ شخص کا تعارف بطور رفیق تنظیم کرایا تھا اس لئے کہ انہی دنوں جبکہ اس کی سروس کی بات چل رہی تھی، اس نے باقاعدہ بیعت فارم پر کر کے تنظیم اسلامی میں شمولیت اختیار کی تھی۔ تقریباً چھ ماہ گزرنے کے بعد مرحوم اقتدار احمد نے مجھے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ تم تو کہہ رہے تھے کہ آں موصوف تنظیم میں شامل ہیں لیکن میں نے انہیں ان چھ مہینوں کے دوران کسی تنظیمی اجتماع، کسی دعوتی پروگرام اور کسی احتجاجی مظاہرے میں نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ جناب اس نے میرے سامنے بیعت فارم پر کر کے تنظیم میں شمولیت اختیار کی ہے۔ لیکن اقتدار احمد مرحوم کا اندیشہ سچا ثابت ہوا اور تنظیم کے ساتھ ان کی عدم دلچسپی بلکہ بعض دفعہ تنظیم کو "Disown" کرنے کی روش نے ثابت کر دیا کہ وہ محض جاب حاصل کرنے کے لئے تنظیم میں شامل ہوئے تھے۔ بہرحال اقتدار احمد مرحوم نے مجھ سے بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔

اقتدار احمد مرحوم کا مجھ پر یہ بھی احسان ہے کہ انہوں نے مجھے لکھنا سکھایا ہے۔ میں نے "ندائے خلافت" میں انکی معاونت اختیار کرنے سے پہلے کبھی نہیں لکھا تھا۔ بعض دفعہ میں اپنی کوئی تحریر ان کی میز پر اصلاح کے لئے ڈرتے ڈرتے رکھا کرتا تھا کہ نہ جانے کتنی غلطیاں نکالیں گے لیکن مرحوم ہمیشہ اصلاح فرماتے اور ساتھ حوصلہ افزائی بھی۔ وہ مجھے کہا کرتے تھے کہ تمہارے اندر لکھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے بشرطیکہ محنت کرو۔ مرحوم ہمیشہ مجھ پر اعتماد کیا کرتے تھے۔ اس اعتماد کی وجہ سے انہوں نے اپنی زندگی کے آخری چھ ماہ کے دوران "ندائے خلافت" کا بیشتر کام میرے حوالے کر دیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب "ندائے خلافت" کا باقی کام تیار ہو چکتا تو وہ گھر سے فون کرتے کہ بھائی کچھ بتاؤ اداریہ کس موضوع پر لکھوں۔ اب میں اپنی جگہ خجل ہو رہا ہوتا تھا کہ محترم اقتدار صاحب کو میں کیا مشورہ دوں۔ وہ کہتے کہ اس وقت بیسیوں مسائل ہیں، آدمی کس کس پر لکھے کہ "تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم"۔ وہ محض میرا دل رکھنے کے لئے مشورہ نہیں لیا کرتے تھے بلکہ بارہا انہوں نے اس موضوع پر اداریہ لکھا جو میں نے تجویز کیا تھا۔

مرحوم اقتدار احمد ظاہر و باطن اور فکر و عمل ہر لحاظ سے سچے اور پکے مسلمان تھے۔ انہیں ہر وہ چیز پسند تھی جو قرآن اور اسلام کی طرف سے آنے والی ہے اور ہر اس چیز سے نفرت تھی جو اسلام کے خلاف تھی۔ انہوں نے اپنے قلم کو اسلام کے انقلابی فکر کے دفاع کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ انہوں نے کبھی حصول شہرت کے لئے اپنے قلم کو استعمال نہیں کیا۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں جب انہوں نے پاکستان کے لئے کالم لکھنا شروع کیا تو وہ بھی اس راقم اور محترم سردار اعوان کے پرزور اصرار پر۔ یہ الگ بات ہے کہ جس اخبار کے لئے وہ بلامعاوضہ لکھ رہے تھے اس نے اپنے ادارتی شذرے میں ان کی رحلت کا ذکر تک کرنا گوارا نہیں کیا۔ خیر اس اخبار کی بے حسی کا تو ذکر ہی کیا کہ مخدومی حضرت مولانا سعید الرحمٰن علوی رحمتہ اللہ علیہ سالہا سال سے اپنے خون جگر سے لکھی ہوئی تحریروں سے اس اخبار کا "پیٹ" بھرتے رہے لیکن گزشتہ سال اکتوبر میں جب ان کا وصال ہوا تو سب سے چھوٹی خبر اسی اخبار نے لگائی۔ میں سوچ رہا تھا کہ یقیناً علوی مرحوم کا تذکرہ اداریئے میں آئے گا لیکن میرا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ جب ان کے ہاں علوی صاحب کی یہ قدر و منزلت ہے تو اقتدار مرحوم کو اس اخبار کے لئے لکھتے ہوئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے تھے۔

اقتدار احمد مرحوم خود ایک صحافی تھے لیکن انہیں صحافیوں کے ایک خاص گروہ سے، جسے اصطلاح میں "اسلام پسند" کہا جاتا ہے، شدید بیزاری تھی۔ چند مستثنیات کے علاوہ ہمارے مذکورہ صحافیوں کے صحافیانہ کاروبار کی کامیابی کا تعلق ہی "اسلام پسندی" میں ہے۔ رہا اسلام کے عملی تقاضوں کو پورا کرنا تو اس کا انکی زندگیوں میں کوئی گزر نہیں ہے۔ ان کی آخرت اور "دنیا" کی کامیابی کے لئے یہی کافی ہے کہ انہوں نے اپنے قلم کو اسلام کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ اپنے اداریوں، مختلف سیمیناروں اور مجالس میں اسلام کی مرثیہ خوانی اور قصیدہ گوئی ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ باقی جہاں تک تعلق ہے ان کی معیشت، ان کی معاشرت، ان کی وضع قطع، ان کا معیاری زندگی اور یہاں تک کہ ان کی تقریبات کے انداز کا تو وہ بالکل ویسا ہی جیسا ان لوگوں کا ہے جنہیں یہ "اسلام پسند" اسلام اور پاکستان کا دشمن نمبر ایک سمجھتے ہیں۔ گویا حقیقت میں دونوں ہی مغربی تہذیب کی زلف گرہ گیر کے بری طرح اسیر ہیں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ ایک طبقے کا کاروبار اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی سے چلتا ہے جبکہ دوسرے طبقہ کا قصیدہ گوئی سے۔ ذکر مرحوم اقتدار احمد کا ہو رہا تھا کہ وہ اس "اسلام پسند" طبقہ کے صحافیوں سے سخت بیزار تھے جن کی زندگیاں اور جن کے گھر نور اسلام سے منور نہ تھے۔

مرحوم اقتدار احمد تحریک اسلامی کے رہرو تھے۔ انہوں نے اپنی بیشتر صلاحیتوں اور مال کو اقامت دین کی جدوجہد میں صرف کیا۔ وہ تنظیم اسلامی کے نظم کے خوگر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رفقاء تنظیم اور نظم بالا کی طرف سے ان کے قلم پر قدغنیں بھی لگتی رہی ہیں جس کو انہوں نے اپنی طبیعت پر جبر کر کے نظم کا تقاضا سمجھتے ہوئے برداشت کیا۔ اس نظم کے تقاضے کے تحت شوریٰ کے اجلاسوں میں انہیں بارہا تنظیم اسلامی کے بزرگوں کی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا اور اپنے قلم سے نکلی ہوئی ایسی تحریروں کی وضاحتیں بھی پیش کرنا

مرحوم نے اسلام کے انقلابی فکر کے دفاع کا حق ادا کر دیا

پڑیں جو ان بزرگوں کے نزدیک تنظیم کی پالیسی کے خلاف تھیں۔ اگر ان کے قلم پر تنظیم کی طرف سے پابندیاں نہ ہوتیں تو اس کی جولانیاں مزید نکھر کر سامنے آتیں۔

تنظیم اسلامی میں ان کی کمی کو تادیر محسوس کیا جائے گا۔ انہوں نے جس قلمی محاذ کو سنبھالا تھا وہ خالی پڑا ہے۔ ان کے قلم میں بلا کی تیزی تھی۔ یہ تیزی ہی بعض دفعہ حد اعتدالی سے متجاوز ہو جاتی جو رفقاء پر گراں گزرتی۔ ان کی وہ کاٹ دار اور نوک دار تحریریں بھی اللہ کی رضا کے لئے تھیں' کسی نفسانی خواہش کا تقاضا ہرگز نہ تھیں۔

اقتدار احمد مرحوم اپنے سینے میں ایک حساس دل رکھتے تھے۔ وہ ملک و ملت کے حالات پر بہت پریشان رہتے تھے۔ صبح دفتر آتے تو مختلف اخبارات منگواتے اور ساتھ ہی مجھ سے کہتے کہ سردار اعوان صاحب کو بلا لو' مولانا شیخ رحیم الدین کو بھی بلاؤ۔ اب وہ اخبارات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے اور ہم میں سے ہر ایک کی مختلف ملکی مسائل پر رائے پوچھتے اور پھر اپنی رائے پیش کرتے جو اکثر "صائب" ہوا کرتی۔ افسوس کہ اس چار رکنی محفل کے روح رواں اس دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی طرف سدھار گئے۔ زندگی کے آخری دنوں میں ملکی حالات خصوصاً کراچی کے حوالے سے ان پر مایوسی کا غلبہ تھا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اب مجھ میں تو اخبارات دیکھنے کی بھی ہمت نہیں رہی۔

ان کی جدائی سے ہمارے دل زخمی ہیں' ہماری آنکھیں آبدیدہ ہیں لیکن ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ ہمیں ان کی یاد رہ رہ کر آئے گی۔ ہمیں ان سے محبت تھی' محض اللہ کے لئے۔ اس لئے بھی کہ وہ اس زمین میں ہمارے سب سے بڑے محسن کے دست راست اور ہر مشکل وقت کے ساتھی تھے۔ انہوں نے اپنے آپ کو میر کارواں کے حوالے کر دیا تھا۔ ان کی ذات اپنے بھائی کے انقلابی فکر میں فنا تھی۔ انہوں نے اس فکر کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہی نہیں بنایا تھا بلکہ حاصل سمجھا تھا۔ انہیں یہ احساس بے چین کر دیا کرتا تھا کہ وہ بعض عوارض کی وجہ سے اقامت دین کے لئے کچھ نہیں کر پا رہے۔ جب آخری دنوں میں دمے کی تکلیف بڑھ گئی اور قلم بھی ہاتھ سے چھوٹ گیا تو کہنے لگے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ بھاگ دوڑ تو پہلے بھی نہیں کر سکتا تھا اب قلم بھی چھن گیا ہے۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کی آواز بھرا گئی اور وہ آبدیدہ ہو گئے۔ جب پہلے دن انہوں نے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کی تو کہنے لگے کہ آج میں سجدے سے محروم ہو گیا ہوں۔ وہ بتا رہے تھے کہ میں نے آج کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کی ہے' پوری نماز میں میرے آنسو نہیں رکے' میری داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور میرے دل سے یہ صدا نکلنے لگی کہ پروردگار یہ وقت بھی میں نے دیکھنا تھا کہ تیرے حضور جبین نیاز بھی نہ رکھ سکوں گا۔ انہوں نے اپنی موت سے چھ ماہ قبل سے تلاوت قرآن کثرت سے شروع کر دی تھی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے بیٹوں کو بھی' جو ماشاء اللہ پہلے ہی اقامت دین کی جدوجہد میں عملی طور پر شریک ہیں' اپنے والد مرحوم کی کمی کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امید ہے کہ مرحوم کے ان نیک نہاد فرزندوں سے میر کارواں کو ٹھنڈک ہی پہنچے گی اور مرحوم کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے ضرور وہ پر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ میرے محسن کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہمیں اس کٹھن راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے جس کے وہ مسافر تھے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم جسم و جان اور دل و دماغ کی تمام صلاحیتوں کو اللہ کے دین کے غلبے کے لئے وقف کر دیں۔ آمین۔OO

دنیا میں تجھ سے لاکھ سہی'
تو مگر کہاں؟

نعیم اختر عدنان

جناب اقتدار احمد صاحب جنہیں اب حسب دستور مرحوم کہا اور لکھا جائے گا' سے میرا پہلا تعارف ان کی تنظیم اسلامی میں باقاعدہ شمولیت کے وقت ہوا۔ یہ نومبر ۸۴ء کی بات ہے جب انہوں نے اپنا ذاتی تعارف کراتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ سے اپنے "رشتہ اخوت" کا بھی ذکر کیا۔ زمانہ اور وقت گزرتا گیا اور ہمارا ایک ہی قافلے کا سفر جاری و ساری رہا کہ ۸۵ء میں قرآن اکیڈمی کے زیر اہتمام دو سالہ سکالر شپ سکیم میں محترم اقتدار احمد کے لاڈلے اور محبوب فرزند محمد حمید احمد میرے کلاس فیلو بن گئے۔ پہلا تعلیمی سال ختم ہوا اور نئے سال کے آغاز سے کچھ ہی عرصہ بعد میرا یہ کلاس فیلو اپنے جواں سال بہنوئی کے ساتھ ٹریفک حادثے کے نتیجے میں اپنی جان ہار گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۹ بجے کے قریب قرآن اکیڈمی کے صحن میں سینکڑوں سوگواروں کے ساتھ محترم اقتدار احمد بھی اپنے لخت جگر اور داماد کی نماز جنازہ کے انتظار میں کھڑے تھے۔ ان کی نظر مجھ پر اور میری ان پر پڑی۔ گویا ایک دوسرے سے آنکھوں ہی آنکھوں میں رنج و الم کے اس موقع پر اظہار غم ہو گیا۔ میں اقتدار احمد کے پاس آگیا تو فرمانے لگے "نعیم میرا بیٹا احمد تمہارا تو کلاس فیلو تھا" جناب اقتدار کے لبوں سے ۱۰ سال پہلے کا نکلا ہوا یہ جملہ آج بھی میرے دل و دماغ کی تختی پر کسی ان مٹ نقش کی طرح کندہ ہے۔ اقتدار احمد کے اس جملے میں رنج و الم کا اظہار بھی نمایاں تھا اور صبر و استقامت کا مظاہرہ بھی۔

محترم اقتدار احمد سے کئی حوالوں سے مجھے اختلاف رہا' جسے آپ اختلاف رائے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی شخصیت کی دل آویزی اور مخصوص انداز کا حامل اچھوتا پن ایسا تھا جسے ان سے قرب رکھنے والا ہر شخص بخوبی محسوس کرتا تھا۔

اقتدار احمد نے ہفت روزہ رسائل کی دنیا میں "ندا" کی شکل میں ایک خوبصورت اور قابل تقلید ہی نہیں بلکہ قابل رشک اضافہ کیا۔ افسوس کہ بعض وجوہات کی بنا پر "ندا" آسمان صحافت پر کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے باوجود اپنی اشاعت جاری نہ رکھ سکا۔ "ندائے خلافت" میں تقریباً ایک سال تک مجھے مرحوم کے ساتھ ان کے معاون کے طور پر کام کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اس دوران مجھے ان کی شفقت بھی حاصل رہی اور رہنمائی بھی۔ میں واشگاف الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں کہ اقتدار احمد کو تنظیم کے مشن سے عشق کی حد تک دلچسپی اور لگن تھی' جس کا مظہران کی سینکڑوں صفحات میں بکھری ہوئی وہ ناقابل فراموش تحریریں ہیں جنہیں مرحوم اپنے خون جگر سے لکھا کرتے تھے۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ اور جناب اقتدار احمد مرحوم کے لائق فرزندوں اور جاں نثاروں کی خدمت میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے" اور "دنیا میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں"

نظام خلافت کی ندا بلند کرنے والے' خدا تیرے درجات بلند کرے۔OO

آہ! "ندائے خلافت" یتیم ہو گیا

محسن علی زین' لاہور

منگل ۷ جون کی صبح میں روز مرہ کے معاملات میں حسب معمول مشغول تھا۔ ساڑھے دس بجے اچانک ٹیلی فون پر گویا ناگہانی طور پر محترم اقتدار احمد کے سانحہ ارتحال کی خبر ملی۔ ایک لمحے کے لئے تو واقعتاً سکتے کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ تو علم تھا کہ ان کی طبیعت کافی عرصے سے ناساز ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یوں اچانک خدا کے حضور حاضری کا بلاوا آ جائے گا۔

سچ پوچھئے تو جب حواس بحال ہوئے تو پہلا تاثر یہی تھا کہ آج "ندائے خلافت" یتیم ہو گیا ہے۔ مرحوم سے جہاں میرا تعلق ایک شفیق اور خیر خواہ بزرگ بلکہ والد اور اولاد کا سا تھا وہاں ایک اہم رشتہ "ندائے خلافت" کی تحریروں اور تجزیوں کے حوالے سے بھی تھا۔ ہر شمارے میں ان کے اداریہ' تجزیہ اور حدیث امروز واقعتاً دلوں کو گرمانے' حالات حاضرہ کی سنگینی کا احساس دلانے اور باطل کے خلاف سینہ سپر ہو جانے کا داعیہ پیدا کرنے کا ذریعہ تھے۔ پھر جب حالات حاضرہ کے ریگ زار کی تپش حد سے بڑھتی محسوس ہوتی' جب امت مسلمہ کے تلخ حقائق خیالات میں انتہائی تاسف اور پژمردگی پیدا کر دیتے' اس وقت شمارے میں مسکراتا ہوا' ہلکا پھلکا سفر نامہ ذہن کو طراوت اور خیالات میں تازگی کی کیفیت بخشتا۔

واقعتاً انہوں نے اپنے سفرنامے کے ذریعہ اردو ادب میں اس صنف کو جلا بخشی ہے۔ یوں تو عصر حاضر میں اردو سفرناموں کی "خدمت" بہت سے مصنفین کر رہے ہیں لیکن جو لغویات ان میں پائی جاتی ہیں وہ مشرقی نہیں بلکہ مغربی طرز حیات کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ لغویات اب اس کثرت سے پائی جاتی ہیں گویا اخلاق سے گرے ہوئے واقعات سفر ناموں کی صنف کا لازمی جزو ہیں۔ اس قسم کے ادبی ماحول میں اقتدار احمد صاحب نے اپنے زور قلم سے ثابت کر دیا اور تمام قارئین پر واضح کر دیا کہ کس طرح ان لغویات سے مبرا اور دلچسپ سفرنامہ تحریر کیا جا سکتا ہے' جو کلیتاً حقائق پر مبنی ہو اور علاوہ ازیں بعض مقامات پر دعوتی و تحریکی رنگ بھی لئے ہوئے ہو۔ الحمدللہ یہ سفرنامہ جو اب کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے' ان شاء اللہ اردو ادب میں مشعل راہ کی حیثیت اختیار کرے گا۔

بلامبالغہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ تحریکی صحافت کے لئے ان کی وفات ایک بہت بڑا سانحہ ہے۔ یوں تو ملک میں بڑے "جید" اور عمدہ قلم کار موجود ہیں لیکن بدقسمتی سے ان میں سے بیشتر کی صلاحیتیں عام دنیاوی مشاغل پر صرف ہو رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی شو بزنس کو اپنا میدان بنائے ہوئے اور کسی نے کھیلوں کو اپنا موضوع بنایا ہوا ہے لیکن مرحوم کی طرح کے صحافی بہت کم ہیں کہ اپنی تمام صلاحیتیں سستی شہرت کی بجائے اللہ کے دین کی جدوجہد میں کھپاتے رہے ہیں۔ لہٰذا ان کی وفات بلاشبہ تحریکی لٹریچر کے میدان میں ایک عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ان پر بڑا کرم تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے حق کا راستہ دکھا دیا اور اس پر چلنے کی بھی توفیق عطا فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم انجمن خدام القرآن کے موسسین میں شامل ہوئے اور جب اقامت دین کے کار عظیم کے لئے تنظیم اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو بھی مرحوم نے لبیک کہنے میں زیادہ دیر نہ کی' اور جو عہد تنظیم میں شمولیت کے وقت کیا اسے آخر تک تندہی سے نبھایا اور ہر موقعے پر قلمی' جسمانی انفاق کے علاوہ بھاری مالی انفاق بھی کیا اور ہر آڑے وقت میں اللہ کے اس دیئے مال کو جو اللہ تعالیٰ نے فراوانی کے ساتھ عطا کر رکھا تھا' تنظیم کے قافلے میں کھپانے بلکہ صحیح تر الفاظ میں لٹانے میں دیر نہ کی' حتیٰ کہ شمارہ "ندائے خلافت" کو ایک عرصے تک اپنے ذاتی خرچ سے چلاتے رہے اور تحریکی صحافت کو ایک نیا انداز دیا۔

عموماً کسی بھی شخصیت کی وفات کے بعد یہ الفاظ سننے اور پڑھنے کو ملتے ہیں کہ مرحوم بڑے ملنسار' خوش مزاج اور عمدہ اخلاق کے مالک تھے اور اگر میں بھی عمومی انداز میں یہ الفاظ لکھتا تو اسے روایتی طریق پر محمول کیا جاتا۔ لیکن یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ہی کیا کوئی بھی شخص جو ان سے ایک بار بھی ملا ہو' ان کے بارے میں انہی جذبات کا اظہار کرے گا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مذکورہ قربانیوں کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس کے وارثین میں شامل فرمائے۔ آمین OO

اقتدار احمد'
جن سے مجھے محبت تھی!

جاوید احمد خان' لاہور

محترم اقتدار احمد صاحب مرحوم و مغفور سے میرے متاثر ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آں مرحوم بھی اسی اجتماعیت سے منسلک تھے جس کے ساتھ میری گہری نظریاتی و عملی وابستگی ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم مشن ہونے کے ناطے ان سے میری محبت ایک طبعی امر ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے نہ صرف بھائی بلکہ ہر معاملے میں مدد و معاون تھے' جس کو میں نے ٹوٹ کر چاہا ہے۔ میری یہ چاہت یقیناً کسی ذاتی غرض کے تحت نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ اس شخص نے ہمارا تعلق قرآن اور دین سے جوڑا ہے۔ یہ نکتہ اسی کا سمجھایا ہوا ہے کہ فرد اور اجتماع ہر دو کو عروج اور ترفع اس کتاب ہدایت کو اپنا امام بنانے سے مشروط ہے۔

ان سے محبت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ان کی تحریریں عجیب کشش اور ادبی چاشنی سے لبریز ہوتی تھیں۔ پھر یہ کہ یہ تحریریں محض ادبی شہ پارے نہیں تھے بلکہ اپنے اندر مقصدیت لئے ہوئے ہوتی تھیں۔ محترم اقتدار احمد سے میری محبت کی چوتھی وجہ یہ تھی کہ میں اس شخصیت سے بھی واقف تھا جو ان تحریروں کے پس منظر میں تھیں۔ اس لئے کہ مرحوم اقتدار احمد محض ایک ادیب' صحافی' کالم نگار اور تجزیہ نگار نہ تھے بلکہ وہ ایک انتہائی مشقت کرنے والے انسان تھے۔ انہیں بجاطور پر "Self Made" انسان کہا جا سکتا ہے۔ ان کی اس محنت شاقہ کا مظہر ان کا "اظہار لمیٹڈ" کے نام سے ایک مستحکم پیداواری ادارہ ہے۔ اس ادارے کے استحکام میں ان کی محنت شاقہ اور جانفشانی کارفرما تھی۔ میری معلومات کی حد تک انہوں نے کبھی بینکوں سے سودی قرض نہیں لیا۔ گویا ان کا ادارہ ایک طرف ملکی معیشت کے استحکام کا باعث بنا تو دوسری طرف سینکڑوں لوگوں کے روزگار کا سبب بھی۔ ان کا طرز عمل اس مولوی کے برعکس ہے کہ جو حلال روزی کمانے پر وعظ و نصیحت کے انبار لگا دیتا ہے لیکن خود کبھی عملاً عام آدمی کی سطح پر محنت کر کے حلال روزی کمانے کی فکر نہیں کرتا۔ اس کی نظر

ان سے اختلافات کے باوجود' وفات کی خبر سن کر مجھے یوں لگا جیسے میری کوئی ذاتی چیز مجھ سے جدا ہو گئی

دوسرے لوگوں کی "روٹیوں" پر ہوتی ہے' جن کی کمائی حلال و حرام کی تمیز سے پاک ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت کا یہی پس منظر تھا جو ان کی تحریوں میں بھی عود آیا کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے پہلے ہفت روزہ "ندا" اور بعد ازاں "ندائے خلافت" جاری کیا تو میں ان کی تمام تحریریں خصوصاً ان کے ذاتی تجربات سے لبریز سفرنامے پوری دلچسپی سے پڑھا کرتا تھا۔

محترم اقتدار احمد مرحوم نے "ندا" کے نام سے ایک ایسے پرچے کا اجرا کیا جو ایک نظریاتی دعوت کا ترجمان تھا۔ اس پرچے کے ذریعے لوگوں کی سیاسی سوجھ بوجھ میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ بلاشبہ ہفت روزہ "ندا" اپنی ابتدائی اٹھان کے زمانے میں آزاد اور بے لاگ تبصروں پر مشتمل ہوا کرتا تھا لہٰذا میں نہ صرف یہ کہ خود اس کا مستقل خریدار بنا بلکہ اس کو لوگوں میں متعارف کرانے میں بھی کافی تگ و دو کیا کرتا تھا۔

یہاں یہ بات بھی ذکر کرتا چلا جاؤں کہ بعد میں مجھے محترم اقتدار احمد مرحوم کے طرز تحریر سے اختلاف بھی پیدا ہو گیا تھا۔ خصوصاً ان کی تحریر کی اس کاٹ سے جو وہ اپنے مخالف کے لئے استعمال کیا کرتے تھے۔ میری رائے یہ تھی کہ یہ انداز نگارش دعوتی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے۔ اس سے دل ٹوٹ تو جاتے ہیں جڑتے نہیں ہیں۔ ہاں اس کے باوجود ان کی تحریریں ادبی حوالے سے اپنے چاہنے والوں سے داد ضرور حاصل کرتی تھیں۔ بہرحال میں اس انداز کو داعی الی اللہ کے شایان شان ہرگز نہ سمجھتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے مذکورہ طرز تحریر پر مجھے بسا اوقات غصہ بھی آ جاتا تھا۔ میں یہ بات شدت سے محسوس کرتا تھا کہ اب "ندا" میں بھی یکسانیت در آئی ہے۔ حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ کسی پر تنقید یا تبصرہ کرنے سے پہلے معاشرے میں عوام الناس کی سطح پر اتر کر اس موضوع پر تحقیق کی روش اپنائی جاتی۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا کہ ہمارے تبصرے زیادہ حقیقت پسندانہ ہوتے اور نتیجہ لوگ اسے اپنا پرچہ سمجھنے لگتے۔ اس طرح ہمارے نظریات کا "Gross Root Level" تک ابلاغ ہو پاتا۔ اس سے پھر امید کی جا سکتی تھی کہ آگے چل کر "ندا" "News week" اور "Economist" جیسے ہفت روزوں کی صف میں جگہ پاتا اور اس طرح ہم اس عالمگیر انقلاب کی راہ ہموار کر پاتے جس کی تڑپ ہم اپنے سینوں میں رکھتے ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ "ندا" بھی بند کمروں میں لکھی ہوئی تجزیاتی تحریروں کی وجہ سے اپنا موثر کردار ادا کرنے میں ناکام رہا۔

مذکورہ بالا وجوہ کے باعث مجھے اقرار ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے محترم اقتدار مرحوم کے طرز نگارش پر غصہ بھی آتا تھا۔ بسا اوقات میں نے اپنے نظریاتی رفقاء سے اس غصہ کا اظہار بھی کیا۔ لیکن اس وقت جو میں بات عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اس اختلافی پس منظر کے باوجود محترم اقتدار احمد کی وفات پر میرے احساسات و جذبات عجیب تھے۔ جب ۶ جون بروز منگل نماز فجر کے بعد مجھے یہ اطلاع ملی کہ قابل صد احترام' برادر خورد محترم ڈاکٹر اسرار احمد' مدیر "ندائے خلافت" جناب اقتدار احمد اس حیات فانی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ گئے تو یقین کر لیں کہ مجھے ایسے لگا کہ جیسے میری کوئی ذاتی چیز مجھ سے علیحدہ ہو گئی۔ اگرچہ ان دنوں میرا معمول ہے کہ صبح کی سیر کے بعد دو گھنٹے آرام کرتا ہوں لیکن اس اطلاع کے بعد مجال ہے جو ایک لمحہ کے لئے بھی آنکھوں میں نیند پڑی ہو۔ حالانکہ رات بھی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے میرے جسم کا کوئی حصہ مجھ سے علیحدہ ہو گیا ہے۔

گویا مذکورہ بالا غصہ کسی نفرت کے باعث نہیں بلکہ شدید محبت کا نتیجہ تھا۔ میں یہ خبر سننے کے بعد یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی ٹاؤن شپ جا کر ان کے بیٹوں اور

(باقی صفحہ ۹ پر)

قرآن کالج لاہور میں

انسٹرکٹر فزیکل ایجوکیشن کی جگہ خالی ہے!

مذکورہ بالا اسامی کے لئے رفقاء و احباب میں سے وہ حضرات جو کالج کے طلبہ کی مناسب جسمانی ورزش کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و اخلاقی تربیت کا اہتمام بھی کر سکتے ہوں اور کل وقتی بنیاد پر کالج ہاسٹل میں اقامت گزیں ہو سکتے ہوں' 15 جولائی 95ء تک اپنی درخواستیں پرنسپل قرآن کالج کے نام ارسال کریں۔ مذکورہ مضمون میں ڈگری رکھنے والے حضرات کے علاوہ ریٹائرڈ فوجی صاحبان کو بھی ترجیح دی جائے گی۔

المعلن : پرنسپل قرآن کالج' 191۔ اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور

"شہیدِ مظلوم' حضرت عثمان غنیؓ" کے بعد مرکزی انجمن کی مطبوعات میں

ایک خوشگوار اضافہ

خلیفۂ رابع حضرت علیؓ کے فضائل و مناقب پر مشتمل

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک نہایت مؤثر اور جامع خطاب

مثیلِ عیسیٰؑ ۔۔۔ علیؓ مرتضیٰؓ

اب کتابی صورت میں دستیاب ہے

صفحات ۵۲' عمدہ طباعت' قیمت (اشاعت عام)۔/۷ روپے

شائع کردہ : مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' ۳۶۔ کے' ماڈل ٹاؤن

کچھ ذکر "زبانِ یارِ من ترکی..." کا

جو مرحوم اقتدار احمد کی زندگی میں شائع ہونے والی ان کی "پہلی اور آخری کتاب" تھی!

عاکف سعید

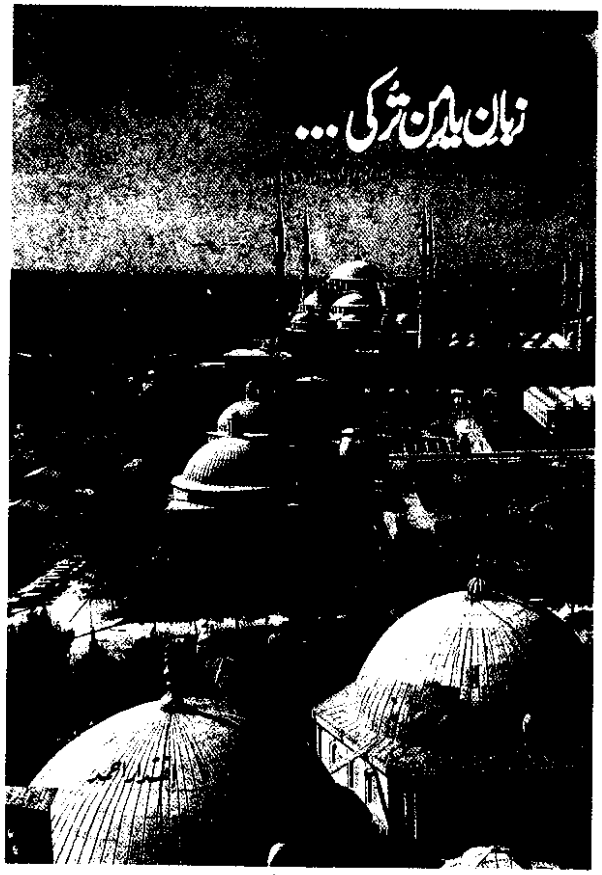

ہر جانے والا اپنے پیچھے کچھ یادیں چھوڑ جاتا ہے۔ اور وہ شخص جس نے زندگی کو ایک چیلنج سمجھ کر بسر کیا ہو اور عمر بھر "زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ ستیز" کی روش پر کاربند رہا ہو یقیناً اپنے پیچھے حسین یادوں اور عزم و ہمت کی داستانوں کا ایک بڑا ذخیرہ چھوڑ کر جاتا ہے۔ میرے مرحوم چچا اور خسر' اقتدار احمد کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔ تاہم وہ محض کچھ خوشگوار یادیں ہی چھوڑ کر نہیں گئے اپنی ایک محسوس و مشہود معنوی یادگار بھی چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں جو "زبانِ یارِ من ترکی..." کے نام سے کتابی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے۔

یہ کتاب اصلاً ان کے سفر ترکی سے متعلق ہے جس میں وہ اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر اسرار احمد کے ہمرکاب تھے' لیکن یہ محض ایک سفر نامہ نہیں بلکہ ایک بھرپور تاثراتی روداد ہے جس کی سطر سطر میں اپنے مقصد سے وابستگی اور ملتِ اسلامیہ کے لئے فکر مندی اور بے کلی جھلکتی نظر آتی ہے۔ تاہم ایک معیاری سفر نامے کے تمام محاسن بھی اس کتاب میں بتمام و کمال موجود ہیں۔ نادر تراکیب اور خوبصورت استعاروں سے آراستہ منفرد اسلوب نگارش جس میں جابجا موقع و محل کی مناسبت سے محاورے' اشعار اور مصرعے خوبصورت موتیوں کی طرح ٹانک دیئے گئے ہوں' ان کی تحریر کی نمایاں خصوصیات ہیں جن کا ایک زمانہ معترف ہے۔ ان سب پر مستزاد ان کا وہ مخصوص ذوق مزاح اور حسِ لطیف ہے جس کا استعمال مرحوم کی تحریروں میں بڑی فراوانی سے ملتا ہے اور جو دورانِ مطالعہ قاری کو کہیں بدمزہ نہیں ہونے دیتا۔

حسنِ معنوی کی طرح اس کتاب کے حسنِ ظاہری پر بھی غیر معمولی توجہ دی گئی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں علالت کے دوران شدید مشقت جھیل کر چچا جان مرحوم نے کتاب کی پروف ریڈنگ' کاپی پیسٹنگ' سفر نامہ میں مذکور ترکی کے متعلقہ مقامات کی رنگین تصاویر کی فراہمی اور ان کے انتخاب کا سارا کام یا تو خود سر انجام دیا یا براہ راست اپنی نگرانی میں کرایا۔ اس معاملے میں perfection کے وہ شدت کے ساتھ قائل تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ کتاب ہر اعتبار سے ایک یادگار کتاب بن جائے۔ اپنی اس پہلی کتاب کو انہوں نے بڑی چاہت سے تیار کرایا۔ چنانچہ یہ کتاب واقعتاً حسنِ معنوی اور حسنِ ظاہری کا نہایت دلفریب مرقع بن گئی۔

تاہم اس ضمن میں جو بات خاص طور پر نوٹ کرنے کی ہے وہ یہ کہ اس کتاب کے معاملے میں ان پر ایک غیر معمولی عجلت سوار تھی۔ انہیں اس بات کا پورا اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ تازہ علالت ان کے لئے مرض وفات ثابت ہو گی۔ یہ جملہ بار بار ان کی زبان پر آتا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب میری زندگی میں چھپ جائے اور مرنے سے پہلے میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ سکوں!" چنانچہ جب بعض احباب کے زور دینے پر جن میں جناب عطاء الحق قاسمی سرفہرست ہیں' انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا تہیہ کر لیا تو اپنی شدید علالت کی پرواہ کئے بغیر اس کی تیاری میں سرگرم عمل ہو گئے۔ واضح رہے کہ یہ سفر نامہ متعدد اقساط کی صورت میں اس سے قبل "ندائے خلافت" میں شائع ہو چکا تھا اور اس پر زبان و قلم کے بعض نہایت نامور شہسواروں سے وہ داد و تحسین وصول کر چکے تھے۔ اب مسئلہ اسے کتابی صورت میں شائع کرنے کا تھا جس کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ان کی علالت تھی' تاہم وہ ان کے عزم کی راہ میں حائل نہ ہو سکی! کتاب کے "پیش لفظ" میں جو انہوں نے سب سے آخر میں تحریر کیا' ان کا استحضارِ آخرت بڑی شدت کے ساتھ جھلکتا نظر آتا ہے۔

انتقال سے قریباً ایک ماہ قبل کتاب چھپ کر آ گئی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ بے حد مسرور ہوئے کہ نفاست اور معیار طباعت میں وہ کتاب ان کی توقعات سے بڑھ کر تھی۔ جس دوست کو بھی وہ تحفے میں کتاب دیتے وہ اس دلآویز کتاب کو دیکھ کر ایک خوشگوار حیرت سے دوچار ہو جاتا اور یہ سوال کئے بغیر نہ رہتا کہ آپ کی

اگلی کتاب کب آ رہی ہے؟ ان کے قریبی احباب اس امر سے بخوبی آگاہ تھے کہ "می نگریم وی رویم" اور "زندگانی کی گزر گاہوں میں" کے عنوان سے مرحوم "ندا" اور "ندائے خلافت" میں جتنا کچھ لکھ چکے تھے اس سب کو اگر کتابی صورت میں شائع کیا جاتا تو کئی کتابیں وجود میں آجاتیں' لیکن ان کا جواب بالعموم یہ ہوتا تھا کہ "یہ میری پہلی اور آخری کتاب ہے"۔ ہمیں قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ ان کی یہ بات اتنی جلد صحیح ثابت ہو گی۔ کتاب کی اشاعت کے کل ایک ماہ بعد وہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے! اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ وادخلہ فی رحمتک آمین' یارب العالمین

اجمل باغ' صادق آباد سے ایک تعزیتی خط

وہ جگہ جہاں مرحوم رشتہ ازدواج میں بندھے تھے

بخدمت گراں قدر مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زاد عنایتہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی! برادر محترم جناب اقتدار احمد صاحب کی اچانک رحلت کی خبر باعث رنج والم ہوئی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون

اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

آپ کے ساتھ ان کا تعلق مثالی تھا' جس کا اعتراف آپ نے میثاق کے صفحات پر کیا تھا۔ یقیناً یہ جدائی آپ پر بہت شاق گزری ہو گی۔ لیکن اگر بنظر غائر دیکھیں تو وہ جس کریم ذات کے مہمان بنے ہیں اس کی مہمان نوازی ہماری ہر قسم کی خیال داری سے بدرجہا بہتر ہے۔

خیر من العباس اجرک بعدہ واللہ خیر منک للعباس

اجمل باغ نے مرحوم کی خوشیوں کا وہ دن بھی دیکھا تھا جب وہ رشتہ ازدواج سے منسلک ہو رہے تھے' اور آج اس جہان سے ان کی رخصتی کی خبر نے یہاں سب کو افسردہ کر دیا ہے۔ مگر ہم سب کو راضی برضائے رب رہنے کے سوا چارہ نہیں۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

شریک غم (سردار) نور محمد لغاری

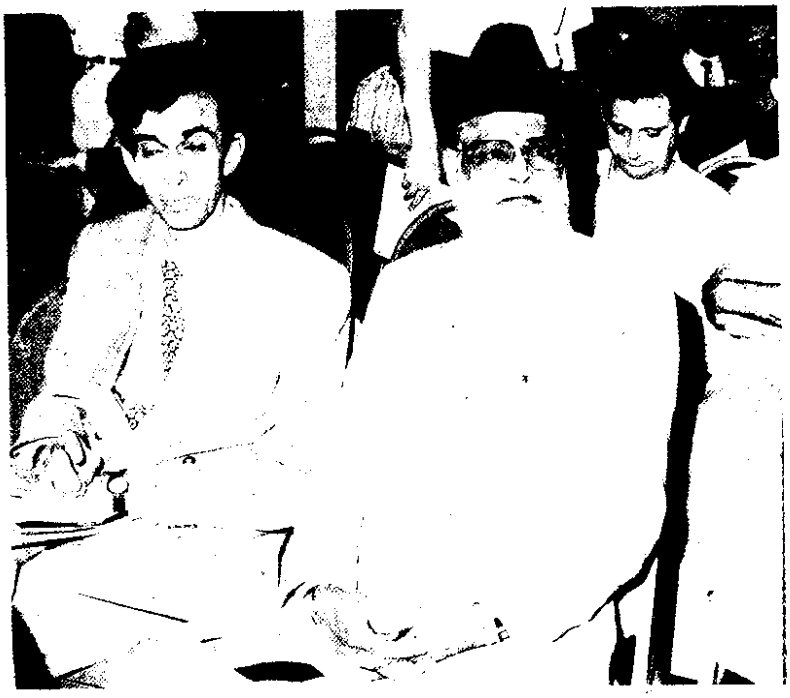

سفر ترکی کی ایک یادگار تصویر۔ جناح کیپ اور شیروانی کے ساتھ مرحوم اس تصویر میں امیر تنظیم سے اس قدر مشابہ نظر آتے ہیں کہ ایک نظر میں پہچاننا مشکل ہو جاتا ہے۔ مرحوم کے ایک چھوٹے پوتے اور ایک پوتی نے کتاب میں شائع شدہ تصویر کو دیکھ کر یہ ماننے سے انکار کر دیا کہ یہ دادا ابا کی تصویر ہے وہ مصر تھے کہ یہ تو نانا ابا (یعنی محترم ڈاکٹر اسرار احمد) ہیں!!--- مرحوم اس صورت حال سے بہت محظوظ ہوتے تھے۔

کتاب کے بارے میں ایک صاحب قلم عالم دین اور دانشور کے تاثرات

مکرمی و محترمی اقتدار صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کی تصنیف "یار من ترکی..." موصول ہوئی۔ نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے یاد رکھا۔ کتاب شام کے بعد ملی تھی' اسی وقت پڑھنا شروع کر دی تھی۔ بہت دلچسپ اور پر از معلومات کتاب ہے۔ بلاشبہ آپ نے موضوع کا حق ادا کر دیا۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ آپ کو قلم پر اقتدار حاصل ہے اور الفاظ کے انتخاب اور استعمال کا سلیقہ اللہ نے آپ کو خوب عطا فرمایا ہے لیکن ایک تاثراتی سلسلے کو شروع سے آخر تک ایک خاص انداز و روانی کے ساتھ آگے بڑھاتے جانا اور اسے سینکڑوں صفحات میں منتقل کر دینا بڑی ہمت کا کام ہے' جب کہ اس میں تاریخ بھی ہو' واقعات بھی ہوں' تنقید بھی ہو' تعریف بھی ہو' حزن بھی ہو' ملال بھی ہو' سرور بھی ہو' غرور بھی ہو' مدح بھی ہو' قدح بھی ہو' نوحہ بھی ہو' مرثیہ بھی ہو' قصیدہ بھی ہو۔ ان تمام امور کو مساوی رفتار کے ساتھ لے کر چلنا بڑے کمال کی بات ہے۔

اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ کتاب مکمل پڑھ لی ہے اور اس سے بہت کچھ حاصل ہوا ہے۔ کتاب ارسال فرمانے پر دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جلد' کتابت' طباعت بہت عمدہ ہے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے۔

اخلاص کیش

(مولانا) محمد اسحاق بھٹی

(ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ و

مدیر سہ ماہی "المعارف")

چند یادگار تحریریں

"زبان یار من ترکی..." کا پیش لفظ

جس کے تانے بانے میں دنیا کی بے ثباتی کا احساس اور فکر آخرت کا استحضار گندھا ہوا ہے

زندگی ایک مسلسل سفر ہی تو ہے۔

اور ---- "موت اک ماندگی کا وقفہ ہے' یعنی آگے چلیں گے دم لے کر"۔

سادہ سے انداز میں کہوں تو میں نے ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۶ء کو اس عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولی تھی۔ لیکن زندگی کے جس دور کا آغاز اس روز ہوا صرف وہی پیمانہ امروز و فردا سے ناپا جا سکتا ہے ورنہ "جاوداں' پیہم دواں' ہردم جواں ہے زندگی"۔

اس سے بہت پہلے یعنی ہزارہا برس قبل عالم امر میں ظہور پذیر ہونے والا واقعہ ہے کہ اسی واحد و وحید ذات والا صفات نے جو اول و آخر' ظاہر و باطن ہے اور "اک حرف کن سے جس نے کون و مکاں بنایا" کارگاہ کن فکاں میں اپنی قدرت تکوینی کا ایک اور مظاہرہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے نتیجے میں آن کی آن میں کھرب ہا کھرب انسانوں کی ارواح عدم سے وجود میں آگئیں۔ ان ارواح انسانی سے جسے خالق کل نے بکمال مہر و عنایت اپنے پاک و بے عیب وجود سے نسبت کا اعزاز بخشا' ایک رسمی یا یوں کہہ لیجئے کہ علامتی ساعہد الست لے کر گہری نیند سلا دیا گیا تھا۔

مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا' کہ میں بھی انہی میں سے ایک تھا۔

میرا یہ پہلا ٹھکانا کہیں عالم ملکوت میں تھا جہاں سے حکم حاکم کے تحت عالم ناسوت تک کی نقل مکانی جو تخلیق کا مرحلہ طے کر کے مکمل ہوئی' میرا پہلا "بین الکائناتی" سفر تھا جو ۲۵/ دسمبر ۱۹۳۶ء کو تمام ہوا۔ اور یہ پہلے سفر کا اختتام ہی نہیں' میری زندگی کے سفر کے اس دوسرے مرحلے کا آغاز بھی بنا ہے جو مجھے جان کنی کی سخت چڑھائی چڑھا کر عالم برزخ میں انجام کو پہنچے گا۔ یہاں پھر مجھ پر اپنے اعمال کی رعایت سے اچھے یا برے ماحول میں ایک اور لمبی نیند طاری کر دی جائے گی۔ وہ نیند ہوگی یا غنودگی کا سا کوئی عالم جس میں روح کو اپنے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کا شعور بھی ہو' اس کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن ہمیں اللہ کے سچے رسول محمد ﷺ کے ارشادات سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ وہ غنودگی نیند کی بہن ہوگی' موت کی نہیں۔ اللہ اپنے نیک بندوں کو عالم برزخ میں حشر کے دن تک زندگی کا یہ مرحلہ ایک طرح کی پکنک مناتے گزارنے کا موقع دے گا اور اس کی شان بندہ نوازی سے کیا بعید ہے کہ مجھ ایسے گنہ گار بھی کسی رعائتی "کوٹے" میں آکر اس سے بہت کم تر ہی سہی لیکن بہرحال نسبتاً آرام سے یہ عرصہ گزار لیں۔

میری زندگی کا آخری مرحلہ اس کڑے دن سے شروع ہونے والا ہے جب سورج سوا نیزے پر ہوگا اور مجھ سمیت ہر انسان پر ایک ہی فکر سوار ہوگی ---- "نفسی نفسی" ---- اس روز بھی اگر "موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے' قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے" تو بیڑا پار ہو جائے گا ورنہ --- ورنہ پھر وہی جس کا یہ ناہنجار بندۂ خدا سزاوار ہے۔ میری زندگی کی جوئے کم آب کو آخر کار بے کنار بحر وجود میں اترتے اس مرحلے میں کتنے ماہ و سال کا سفر کرنا ہوگا جن میں "ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار" ---- اللہ اعلم۔ اس کے بعد وہی لاہوت ہوگا جو پہلے بھی تھا' سارا شور شرابہ ختم ہو چکا ہوگا۔ "جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود' پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟" اللہ بس باقی ہوس۔ نہیں معلوم کہ تب میری فانی زندگی رب ذوالجلال والاکرام ہستی جاوداں سے ہمکنار ہوگی یا بے کنار رہے گی۔ کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

دنیا میں گزاری ہوئی اس زندگی کے لئے جو دو آرزو اور دو انتظار میں کٹنے والے (میزان کل : چار) دن لے کر آیا تھا' وہ ہر اعتبار سے بھرپور تجربات میں بسر ہوئے۔ ایک گھر بنایا' خاصے بڑے پیمانے پر کاروبار کیا' سرد و گرم زمانہ دیکھا اور سیر و سفر کے لئے بھی کچھ نہ کچھ وقت نکالتا رہا۔ پہلا بیرونی سفر ۱۹۶۸ء میں اہلیہ کے ساتھ حج بیت اللہ شریف کا تھا اور آخری ۱۹۹۲ء میں وہ جس کی روداد آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔ ان چوبیس برسوں میں درجنوں بار باہر گیا اور ہر بار اپنے طور پر' اپنے خرچ پر گیا۔ اس میں استثناء ایک تو یہی آخری سفر ہے اور ایک جولائی ۱۹۸۸ء میں لندن کا وہ چکر جو "المؤتمر الاسلامی الاروبی الاول" کے عنوان سے منعقد ہونے والی تحفظ حرمین الشریفین کے موضوع پر تین روزہ کانفرنس میں شرکت کے لئے منتظمین (بالخصوص برادر مکرم صہیب حسن خلف الرشید مولانا عبدالغفار حسن) کی طرف سے مالک و مدیر ہفت روزہ "ندا" لاہور کی حیثیت میں دعوت کے نتیجے میں ہوا۔ ان میں چند ایک کے جزوی سفرنامے میرے مرحوم ہفت روزہ "ندا" میں شائع ہوتے رہے ہیں جنہیں مکمل کر کے اور ذرا نوک پلک سنوار کر شائع کرنے کا پروگرام تھا۔ الگ سے دو روادیں اور بھی لکھنے کی بات سوچتا رہا ہوں۔ ایک امریکہ کے تین چکروں کی اور دوسری چین و جاپان کے اکلوتے سفر کی لیکن زندگی ان کاموں کی مہلت دیتی لگتی نہیں' وہی زندگی جس کی اللہ معاف کرے ---- ناقدری کا جرم بھی مجھ سے سرزد ہوا ہے۔

ترکی کا سفر وہ واحد موقع تھا جس میں برادر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی رفاقت میسر آئی بلکہ فی الحقیقت میرا یہ پروگرام بنا ہی ان کے طفیلی کے طور پر' چنانچہ اس کی روداد میں ان کا تذکرہ ہر دوسرے ذکر سے زیادہ آئے تو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ وہ اس بارات کے دولہا تھے اور اس روداد سفر میں سے خود کو منہا کر کے محض انہی کی مصروفیات کا حال لکھتا تو بھی یہ کوئی غلط بات نہ ہوتی۔ تاہم اپنی کیفیات کا ذکر کر کے اور "اقول" کا اضافہ کر کے دراصل میں نے لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کا انتظام کیا ہے۔

میری یہ پہلی کتاب (جو آخری بھی ثابت ہو سکتی ہے) اگر پڑھنے والوں کا محض وقت ضائع ہی نہ کرے بلکہ صلے میں کچھ دینے میں کامیاب ہو جائے تو ان کی دعاؤں میں شرکت میرا حق بنتی ہے جو امید ہے کہ کرم فرما ضرور ادا کریں گے۔ جن حضرات و خواتین کو بوریت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو وہ مجھے معاف فرمادیں۔

خاکسار

اقتدار احمد

خیام بنو مختار

۷۸' سیکٹر اے ون

ٹاؤن شپ۔ لاہور : ۱۶/ مارچ ۱۹۹۵ء

کل من علیھا فان

ارباب سیاست و صحافت اور اہل علم و دانش کی جانب سے موصول ہونے والے تعزیتی پیغامات

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ابھی اسلام آباد میں بھائی اقتدار احمد کے رحلت فرما جانے کی خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر بھر کی کمائی ہوئی نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے۔ انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ ان کی اولاد اور اہل و عیال کا خود ہی حافظ و ناصر ہو اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم کے تمام پسماندگان تک میرا پیغام تعزیت پہنچا دیں۔ مجھے افسوس ہے کہ نماز جنازہ میں شامل نہ ہو سکوں گا۔

قاضی حسین احمد
امیر جماعت اسلامی پاکستان

محترمی و مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امیر تنظیم اسلامی
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے برادر عزیز جناب اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی اطلاع سے سخت افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ ان کی حسنات کو قبول اور لغزشوں سے درگزر فرمائے اور اعلیٰ علیین میں داخل فرمائے۔ اللہ آپ اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنی صحت اور نظر کی کمزوری کی وجہ سے جنازہ میں شرکت نہ کر سکا۔

خاکسار
(میاں) طفیل محمد

مکرمی و محترمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
سلام مسنون

اخبار میں محترم جناب اقتدار احمد صاحب کا سانحہ رحال کا پڑھ کر از حد صدمہ ہوا۔ بھائی تو سب عزیز وتے ہیں مگر موصوف بوجہ آپ کے جگری تعلق کی وجہ سے بے حد عزیز بھائی تھے، جس کا صدمہ بھی بے حد ہو گا۔ مگر بجز صبر و شکر کے چارہ کیا ہے۔ ان اللہ ما اخذ و لہ ما اعطی فلتصبر ولتحتسب ہم سب اس صدمہ جانکاہ میں آپ کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہترین مقامات قرب و رضا سے نوازے اور آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

دارالعلوم میں اجتماعی دعائے مغفرت بھی کرائی گئی۔ لاہور آنا ہوا تو خود بھی تعزیت کے لئے حاضر ہوں گا۔ فی الوقت عریضہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ والسلام

(مولانا) سمیع الحق
اکوڑہ خٹک

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کے چھوٹے بھائی اقتدار احمد کے انتقال کی خبر ملی۔ انتہائی دکھ ہوا۔ اگرچہ موت کا وقت مقرر ہے اور ہر شخص نے اپنے وقت مقررہ پر اس فانی دنیا سے رخصت ہو جانا ہے لیکن بھائی کا رشتہ محبت، خلوص اور وفا کا ہوتا ہے۔ معاشی، معاشرتی اور سماجی مسائل کے حل میں بھائی کی معاونت اور مشورے بہت کارآمد ہوتے ہیں مگر آپ کے بھائی تو آپ کی دعوتی اور تحریکی سرگرمیوں میں بھی آپ کے دست راست تھے۔ اس لحاظ سے آپ کے بھائی کی رحلت آپ کے لئے بہت بڑا نقصان ہے۔ میں آپ کے دکھ کو سمجھتا ہوں اور اس میں برابر کا شریک ہوں۔ لاہور سے باہر ہونے کی وجہ سے نماز جنازہ میں شریک نہ ہو سکا۔ انشاء اللہ تعزیت کے لئے حاضری دوں گا۔

خدا سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

لیاقت بلوچ
امیر جماعت اسلامی لاہور

قابل صد احترام مکرمی جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ
السلام علیکم

مزاجی گرامی! مجالس عزائے حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام سے قدرے فراغت کے بعد میں نے آپ ۱۴ محرم ۱۴۱۶ھ والا "ندائے خلافت" بڑے اشتیاق سے کھولا کہ حسب سابق اصیل اور جدید مطالب سے محظوظ ہوں، مگر پرچہ کھولتے ہی ایک المناک تصویر سے انبساط کے جذبات پر غم و اندوہ کی اوس پڑ گئی۔ بڑا دکھ ہوا! مرحوم ہمارے کارواں کے راہرو ہی نہیں راہبر بھی تھے۔ ادبی، سیاسی اور صحافتی میدان کے مجاہد اول تھے۔ مرحوم و مغفور کی تحریریں گویا کہ حقائق کی وہ ندیاں تھیں جو خود تو بہتی چلی جاتی ہیں مگر ایک عالم کو سیر و سیراب کرتی ہیں۔ بہرحال "جو پیدا ہوا ہے اک روز مرے گا" کے مصداق یہ المیہ ہمارا مقدر تھا۔ مکرم ڈاکٹر صاحب! میں ذاتی طور پر اس سانحے کے موقعہ پر آپ کے غم کا برابر کا شریک ہوں۔ اللہ سبحانہ انہیں اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں تحریک خلافت کو منزل مقصود تک پہنچانے کی توفیق سے نوازے! آمین!

میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بزرگانہ شفقت سے محروم نہ رکھئے گا!

(علامہ) السید ہادی نقوی عفی عنہ
۱۵، محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

محترمی و مکرمی! زاد مجدکم
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

جناب اقتدار احمد صاحب کے سانحہ ارتحال کی خبر پڑھ کر صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مجھے آپ کے اس عظیم اور ناقابل تلافی نقصان پر آپ سے اور جملہ پسماندگان سے دلی ہمدردی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دیں اور ان کی دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا کرتے ہوئے انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ دیں۔ مرحوم سے جب کبھی ملاقات ہوتی تھی، بڑی محبت، تکریم اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے۔

میں اپنے ضعف و درد کمر اور "ہیٹ ایٹرجی" کے باعث اپنے کمرے (خواب گاہ) میں "نظر بند" رہنے پر مجبور ہوں، ورنہ ذاتی طور پر اظہار ہمدردی اور تعزیت کے

لئے حاضر ہوتا۔ امید ہے آپ عفو و درگزر سے کام لیں گے اور میرا عذر قبول فرمائیں گے۔ (اس دفعہ تو میں صحت کی خرابی کے باعث "انجمن" کے سالانہ اجلاس میں بھی شرکت نہ کر سکا جس کا مجھے قلق ہے۔ آپ کی زیارت اور آپ کے ارشادات عالیہ سے محرومی اس پر مستزاد)۔

والسلام مع الاکرام
آپ کا دعاگو' دعاجو اور شریک غم
خواجہ غفور احمد

محترم المقام جناب ڈاکٹر صاحب سلمہ اللہ تعالی
سلام مسنون!

عزیز محترم اقتدار احمدؒ جس خلوص سے آپ کے تبلیغی جہاد میں آپ کے مقدم تھے' اس سے "سنشد عضدک باخیک" کی ایک دلنواز تشبیر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی تھی۔ آج انکے سانحہ ارتحال کا علم ہوا تو بے حد صدمہ ہوا' اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میرے ساتھ ان کی کرم فرمایانہ التفات بڑی خصوصی قسم کی تھی' ان کا ہمدردانہ برتاؤ' مربیانہ شفقت اور مخلصانہ طرز عمل کی اس دور میں شاذ ہی مثال ہوگی۔

میری اور اراکین مخدوم جہانیاں اکیڈمی کی بصمیم قلب دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور آپ کو اور دیگر بھائیوں کو اور ان کے بچوں اور جمع متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی عطا فرمائے آمین۔

(علامہ) شبیر بخاری عفی عنہ
چیف ایڈیٹر' سہ ماہی تفکر
لاہور

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم و رحمتہ اللہ

۷ جون کے اخبار میں آپ کے برادر خورد اقتدار احمد صاحب کی وفات کی خبر پڑھ کر صدمہ ہوا۔ مرحوم آپ کے بہت اچھے بھائی' آپ کے مشن کے معین و موید اور مونس و غمگسار تھے۔ آپ کی فکر کی نشر و اشاعت کے لئے زر کثیر صرف کر کے انہوں نے "ندا" جاری کیا اور کامیابی کے ساتھ چلایا۔ ان کی وفات یقیناً آپ کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے۔ مگر یہ خدائے حکیم و خبیر کا فیصلہ ہے' اسے صبر و ثبات کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ۷ جون اور پھر ۸ جون کو قرآن اکیڈمی حاضر ہوا مگر ملاقات نہ ہو سکی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو صبر جمیل کی توفیق دے اور مرحوم کے نیک اعمال کی بھرپور جزا دے اور ان کی

"اسلامی" اجتماع! مرحوم اقتدار احمد نے بعد از مرگ تین "اسلامی" جماعتوں کے رہنماؤں کو جمع کر دیا۔ مرحوم کی تعزیت کے لئے جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد' تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد کے پاس ایک ایسے وقت تشریف لائے جب حسن اتفاق سے تحریک اسلامی کے سربراہ جناب نعیم صدیقی بھی اسی غرض سے ڈاکٹر صاحب کے پاس موجود تھے۔

لغزشوں سے درگزر فرمائے' آمین

شریک غم
محمد یونس جنجوعہ
(اسسٹنٹ پروفیسر' شعبہ علوم اسلامیہ)
گورنمنٹ ایف سی کالج لاہور

مکرمی و محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب
السلام علیکم و رحمتہ اللہ

کل برادر محترم قاضی عبد القادر صاحب نے فون پر برادر اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی دردناک خبر دی۔ کہہ نہیں سکتا کہ دل و دماغ پر کتنا شدید اثر ہوا۔ آپ کے تو وہ عزیز ترین بھائی بھی تھے اور دعوت و تحریک کے کام میں دست و بازو بھی۔ گزشتہ برسوں میں آپ کو ایسے کئی ذاتی صدمے برداشت کرنے پڑے ہیں۔ آپ کی قوت ایمانی ہی ہے کہ ان صدموں سے دوچار ہونے کے باوجود استقامت سے اپنا کام کئے جا رہے ہیں۔ گو اب محسوس ہوتا ہے کہ کچھ تکان اور اضمحلال کے آثار ظاہر ہونے لگے ہیں۔

برادرم اقتدار کی اچانک رحلت نے ایک بہت بڑا خلاء پیدا کر دیا۔ "ندائے خلافت" نے ان کی صلاحیتوں' قوت تحریر اور زبان پر قدرت کا ایسا مظاہرہ کیا تھا کہ میرے تو وہم و گمان میں نہیں تھا۔ آپ کے خانوادہ میں' مجھے ذاتی طور پر ان سے بہت قربت ہو گئی تھی۔ ایک بار چند سال بیشتر دو دن کے لئے ان کی میزبانی کے شرف سے بھی لطف اٹھا چکا ہوں۔ ان کی عنایات اور نوازشیں یاد آ رہی ہیں اور دل پارہ پارہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالی سے دعاگو ہوں کہ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کا اخلاص مقاصد سے گہری وابستگی اور تقویٰ و دینداری کے پیش نظر اللہ سے امید ہے کہ وہ ان کو عالم آخرت میں اپنی بے پایاں رحمتوں سے نوازے گا۔

میری جانب سے عزیز عاکف' عزیزم عاطف اور بھائی اقتدار احمد کے بچوں اور اہل خانہ سے تعزیت کیجئے گا۔ اور میرے دلی جذبات ان تک پہنچا دیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام متعلقین کو صبر و استقلال کی نعمت عطا فرمائے اور اس صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

مخلص
زبیر بن عمر
گلشن اقبال' کراچی

مکرمی!
السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

کل کے اخبار میں عزیزم برادرم اقتدار احمد کے انتقال پر ملال کی خبر پڑھی انتہائی افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے' جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور تمام پسماندگان خصوصاً مرحوم کی بیوہ' اولاد' برادران اور ہمشیرگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم سے پہلی ملاقات سن ۶۲ء میں ساہیوال میں ہوئی تھی' بڑی محبت اور احترام کے ساتھ ملتے تھے۔ اس زمانے میں معاشی لحاظ سے

ان کی حالت بہت معمولی تھی لیکن انہوں نے اپنی ذاتی محنت اور ذہانت سے کاروباری دنیا میں نمایاں نام پیدا کیا اور صحافت کے میدان میں بھی بہت سوں سے سبقت حاصل کی۔ ان کی آمدنی کا بہت سا حصہ غلبہ دین کے لئے صرف ہوتا رہا۔

کچھ عرصہ قبل ان کے دو پیارے عزیز ایک حادثے میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس موقع پر صبر جمیل کا مظاہرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو اچھے کاموں میں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایک مرتبہ حج میں بھی ان کی رفاقت حاصل ہوئی۔ ان کی وجہ سے سفر میں سہولت رہی۔ ان کی اچانک موت بہت بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے بڑے بھائی اظہار احمد صاحب اور چھوٹے بھائیوں کو اور آپ کو اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ مرحمت فرمائے۔ (آمین) توقع ہے ان کی یادگار "ندائے خلافت" آئندہ بھی آب و تاب کے ساتھ جاری رہے گا۔

فقط والسلام

(مولانا) عبدالغفار حسن

اسلام آباد

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

ابھی بعد نماز عصر محترم اقتدار احمد صاحب کے دارالبقاء کی طرف ہجرت کی اطلاع ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یاایتھا النفس المطمئنہ' ارجعی الی ربک راضیہ مرضیہ

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا۔ آمین یارب العلمین

مرحوم کی دینی جدوجہد اور اس راہ میں بیش بہا قربانیوں کے ساتھ ان کے اخلاص کی وجہ سے بہت زیادہ انسیت ہو گئی تھی اور شاید زندگی میں پہلی بار کسی "اپنے" کے جدا ہونے کا احساس ہوا ہے۔ میں آپ سے کیا تعزیت کروں۔ جی چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے تعزیت کرے۔ انشاء اللہ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ ملے گی۔ والسلام مع الاکرام

خواجہ شاہین نیازی

کراچی

محترم ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم

آپ کے برادر گرامی اقتدار احمد صاحب کی وفات سے دلی صدمہ ہوا ہے۔ دو اڑھائی ہفتے قبل میں محترم مجیب الرحمٰن شامی صاحب کے ساتھ ان کی مزاج پرسی کے لئے گیا تھا۔ گھنٹہ بھر گفتگو رہی۔ محترم شامی صاحب انہیں بیرون ملک سے علاج کرانے کے لئے کہتے رہے۔ اقتدار احمد صاحب اپنی ذات میں سچے مسلمان تھے۔ انہوں نے قلم کے ذریعے ملت کی جو رہنمائی فرمائی اور حق گوئی کا مظاہرہ کیا' اللہ کے ہاں انہیں اس کا یقیناً بہت اجر ملے گا۔ وہ ملت اسلامیہ کے لئے اپنے دل میں گہرا درد اور خلوص رکھتے تھے۔ اللہ ان کے درجات بلند کرے۔ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ آپ سب بھائیوں اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

خالد ہمایوں

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ پنجابی

یونیورسٹی اورینٹیل کالج لاہور

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

لاہور کے ایک دوست کے ذریعہ محترم اقتدار احمد صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ اناللہ وانا علیہ راجعون۔ مجھے قطعاً علم نہیں تھا کہ وہ بیمار ہیں ورنہ ان سے ملاقات کے لئے حاضر ہوتا۔ ان کی کتاب "زبان یار من ترکی" میں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ اب ان کو یاد کر کر کے ہی اسے پڑھ سکوں گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ نصیب کرے۔ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ہر آزمائش سے محفوظ رکھے۔

والسلام خیراندیش

(ڈاکٹر) محمد فاروق خاں مرزان

صدیق محترم محب صادق ڈاکٹر صاحب اطال اللہ عمرہ

السلام علیکم۔ اخباروں کے ذریعہ اقتدار بھائی کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی ذات گرامی اور آپ کے گھرانہ سے جو مخلصانہ اور عزیزانہ مراسم ہیں اس کے تحت ایسا محسوس ہوا کہ میرے ہی گھرانہ کا ایک محبوب اور عزیز القدر فرد ہم سے بچھڑ گیا ہے۔ دلی رنج و الم کے اظہار کے لئے الفاظ ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان بالخصوص جناب والا' عزیز عاکف' عارف اور جملہ عزیزان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نیازمند و شریک غم

علاؤالدین صدیقی

خانیوال

بھائی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

بھائی اقتدار صاحب کی وفات کا جان کر از حد رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اسلامی خدمات کے صلے میں ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور آپ کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے۔ صدمہ یقیناً بہت بڑا ہے۔ ان کے ادارے کبھی نہیں بھلائے جاسکتے۔ بے شک وہ آپ کے دست راست تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ والدہ صاحبہ کے برعکس' وقت پر اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے جنازے میں نہ شریک ہو سکا۔ بعد ازاں طبیعت ٹھیک نہ رہی۔ لہٰذا خط کے ذریعہ تعزیت کر رہا ہوں جسے قبول فرمائیے۔

شریک غم

مظہر علی ادیب

اقبال ٹاؤن' لاہور

گرامی قدر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

مزاج گرامی!۔ کل اخبار سے معلوم ہوا کہ محترم اقتدار احمد صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بھائی ویسے ہی بڑی چیز ہوتے ہیں اور مرحوم تو آپ کے مشن کے ساتھ بھی وابستہ تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔ ان کی حسنات و خیرات کو قبول فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں درجات بلند سے ان کو نوازے۔ آمین۔ اور آپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ایمان کی سلامتی اور اعمال صالحہ کے ساتھ آدمی دار دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ "ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق" اور "وما عند اللہ خیر للابرار" اللہ تعالیٰ سب کا خاتمہ بالخیر کرے۔

خاکسار منیر احمد سلفی

ایڈیٹر' ماہنامہ جماعۃ الحق

لاہور

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

سلام مسنون! "ندائے خلافت" کے مدیر جناب اقتدار احمد صاحب کی وفات میرے لئے دکھ اور غم کی اطلاع تھی اور اس کا اظہار ایک فطری امر ہے۔ ادارے کی جانب سے ان کی علالت کی اطلاع ملی تھی اور کل ہی اخبار میں پڑھا کہ وہ دنیا سے رخصت بھی ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے' ان کے

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

انا للہ وانا الیہ راجعون

"رفقاء تنظیم و احباب کی جانب سے وصول ہونے والے تعزیتی خطوط"

"اللہ کے نام سے اور اس کی حمد بیان کرنے کے بعد دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور بڑا اجر دے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ شکر کی نعمت سے نوازے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے جان اور مال اور اہل و عیال سب اللہ تعالیٰ کی مبارک عطا ہیں اور یہ چیزیں ہم کو ادھار دی گئی ہیں' جو ہمارے پاس اللہ کی امانتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ وقت مقررہ تک ان کے ذریعہ ہمیں محبت اور نفع دیتا ہے اور ایک وقت معلوم پر واپس لے لیتا ہے۔ جب دیتا ہے تو شکر اور جب لیتا ہے تو ہم پر صبر لازم ہے۔ صبر میں ثواب ہے اور بے صبری سے کوئی چیز واپس نہیں آتی اور ثواب سے محرومی ملتی ہے۔ بھائی اقتدار آپ سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقررہ وقت کے لئے تحفہ تھے' وہ بہت سی اچھی باتیں کر کے واپس لے لئے گئے۔ اس کا شکر ادا کریں اور انکی مغفرت کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ سب کو اور تنظیم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین"۔

آپ کا بھائی
ممنون احمد مرغوب
نیویارک' امریکہ

"اپنے بھائی' تنظیم اسلامی کے سرگرم کارکن' "ندا" کی صورت میں تنظیم کی ترجمانی کرنے والے باکردار شخصیت کی رحلت کی خبر پڑھی تو بہت افسوس ہوا۔ یہ محبت تو قدرت نے رکھی ہے۔ اب اس غم نے محبت کو اور ہوا دی۔ جب سے یہ خبر پڑھی ماسوائے دعا کے منہ سے نہ کچھ نکل سکا مگر قلبی جذبات میں ہیجان ہے۔ جب مجھ جیسے ادنیٰ انسان کا یہ حال ہے تو جن کے حقیقی بھائی تھے اور جن کے دست راست تھے' اس مرد مجاہد نے خود جنازہ پڑھایا' لحد میں اتارا۔ چند لمحات میں عمر بھر کی رفاقت چھوٹ گئی۔ سوچتا ہوں اس کا کیا حال ہو گا۔ بظاہر نہیں تو دل کے اندر تو ایک ہیجان کی کیفیت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمانی مظاہرے سے بہت سے دوسروں کا ایمان بھی مضبوط کر دیا ہو گا۔ لہٰذا اس نے ہم کو صحیح معنوں میں انا للہ وانا الیہ راجعون کا مطلب بھی سمجھایا ہے۔

بھائی اقتدار احمد مرحوم کی اللہ کریم مغفرت کریں اور ان کے درجات اپنے فضل و کرم سے بلند فرمائیں اور جب ہم ان سے ملیں تو ان کے مشن کی تکمیل (انشاء اللہ تعالیٰ) ہو چکی ہو۔

ان کی موت سے جو خلا پیدا ہوا ہے' امید ہے کہ اللہ کریم اس کو اپنی رحمت سے پر کر دیں گے کیونکہ یہ تو رب ذوالجلال کا کام ہے' جس کو مرحوم کر رہے تھے"۔

والسلام
عبدالرؤف شاہ
سعودی عرب

"محترم جناب اقتدار احمد صاحب کی وفات کا علم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی اقامت دین کے سلسلہ میں کی گئی جدوجہد کو قبول فرمائے اور اپنے فضل خاص سے ان کی کوتاہیوں سے درگزر فرما کر انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین۔ دعا یہ ہے کہ رب کریم آپ کو اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین"۔

آپ کا رفیق
طارق امین' کراچی

"ابھی ابھی جناب ظہور الحسن کی زبانی' بذریعہ ٹیلی فون اطلاع موصول ہوئی ہے کہ برادرم عزیزم جناب اقتدار احمد صاحب قضائے الٰہی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ المناک خبر سن کر انتہائی افسوس ہوا ہے۔ اللہ پاک سے ہماری دست بستہ دعا اور التجا ہے کہ رب العزت ہمارے مرحوم بھائی اقتدار احمد صاحب کو اپنی رحمت خاص سے جنت الفردوس میں اعلیٰ ترین مقام عطا فرمائیں' آمین۔ ہم سب مع اپنے اہل و عیال آپ سب کے ساتھ برابر کے شریک غم ہیں"۔

خیر اندیش شریک غم
محمد مسعود مفتی مع اہل و عیال
ڈانکاسٹر' برطانیہ --- ۶ جون ۱۹۹۵ء

"امید ہے آپ اپنے عزیز بھائی اقتدار احمد صاحب کی بے وقت وفات کے جانکاہ واقعہ سے سنبھل گئے ہوں گے۔ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ نہایت ہی متواضع اور منکسر المزاج انسان تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہیں ہو گا کہ وہ سراپا ایثار اور نہایت ہی شفیق مومن تھے۔ جہاں تک مجھے علم ہے ان کی دینی خدمات قابل رشک ہیں۔ انہوں نے صحیح معنوں میں اپنا تن من دھن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنی رحمت بے پایاں سے مرحوم کو ڈھانپ لے اور ان کے مرقد کو گلشن جنت بنا دے۔ روز محشر ان کو اجر عظیم اور فوز العظیم سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

تنظیم اسلامی' تحریک خلافت اور انجمن خدام القرآن کے لئے ان کی ذات بہت اہم تھی۔ ان کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا بہت مشکل ہو گا۔ باطل اور منافق طاقتوں کے خلاف جہاد بالقلم پر میثاق اور ندائے خلافت کے صفحات تا قیامت ان کی شہادت دیتے رہیں گے۔ مرحوم کی خداداد صلاحیتوں کا کماحقہ احاطہ کرنے کے لئے کئی صفحات درکار ہوں گے۔ تعزیت کے لئے ان چند جملوں میں ان کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے موزوں الفاظ نہیں مل رہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم انسان کے حق میں ہماری نامکمل اور ناکافی گواہی کو شرف قبولیت فرما کر اپنے جوار رحمت میں انکو جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

ان کی وفات کی خبر نے تو مجھے مبہوت ہی کر دیا۔ ایسے نفیس انسان اور ہمدرد رفیق خال خال ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین ثم آمین۔

امیر محترم آپ سے چھوٹا سا گلہ ضرور رہے گا کہ آپ نے بیرون لاہور رفقاء کو ان کی وفات کی اطلاع نہ دے کر ان کے جنازے کو کندھا دینے کی سعادت سے محروم رکھا۔ ہمیں احساس ہے کہ آپ نے موسم کی شدت کے پیش نظر ایسا کیا بہرحال ہماری محرومی اپنی جگہ ہے۔ بھائی اقتدار احمد صاحب بہت پیارے انسان تھے۔ ہر

شخص جو ان سے ملتا تھا یہ تاثر حاصل کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ ان سے فی اللہ محبت کرنے پر فوراً دل مائل ہو جاتا تھا۔ جی چاہتا ہے کہ زندگی بھران کے لئے دعائے خیر کرتا رہوں تاکہ کچھ تو حق رفاقت ادا ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے۔ آمین۔

ماشاء اللہ آپ کے دوسرے عزیز و اقارب بھی اس بے دین معاشرہ میں خدا دوستی اور اسلام پسندی میں عزیمت کے پہاڑ ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا آپ کے خانوادے پر خصوصی فضل ہے۔ ایں سعادت بزور بازو نیست ۔ مرحوم افتخار احمد صاحب ان میں خاص مقام رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص اور اعمال صالح کو قبول فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے آمین ثم آمین۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے مجھ ناچیز عاجز کی دعا ہے کہ ہمارے امیر کو صحت کاملہ اور عمر طویل عطا فرمائے تاکہ ان پر آشوب حالات میں ہماری رہنمائی فرما سکیں اور ان کے خانوادے کو مزید جانی نقصان سے محفوظ فرمائے تاکہ احیاء اسلام کے کام میں ضعف نہ آئے۔ قحط الرجال کے اس دور میں اللہ تعالیٰ اپنے دین مبین کی شمع کو روشن رکھنے کے لئے آپ کو اور آپ کے سعادت مند خاندان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین ثم آمین"۔

آپ کا مخلص
(کمانڈر) محمد طفیل، عفی اللہ عنہ
سیالکوٹ

"آج صبح محترم جناب افتخار احمد صاحب کے انتقال پرملال کی اطلاع ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ ان کے درجات بلند فرمائے اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ مرحوم بہت سی خوبیوں کے مالک تھے اور دین کے ایک سچے سپاہی تھے۔ غلبہ دین حق کی فکر کو پھیلانے میں آپ نے جس طرح اپنی جان گھلا دی، آپ کا ساتھ دیتے ہوئے مرحوم نے سنت ہارونی ادا کر دی اور ان کی زندگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ انہوں نے اقامت دین کی اس جدوجہد میں تن من دھن کی قربانی دی اور کسی قسم کے نقصان کی پرواہ نہیں کی اور اسی مشن میں جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اور ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین پر عمل کر دکھایا۔

ہم جملہ رفقاء آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ ہمارا دل تو رو رہا ہے لیکن ہم وہیں کہیں گے جس میں اللہ کی رضا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی سیئات کو حسنات میں تبدیل فرما دے۔ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ولا تعذبہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا۔ امین یارب العالمین"۔

منجانب
اشفاق احمد میر
ڈاکٹر اقبال صافی
وارث خان
خورشید انجم، غلام مقصود
وجملہ رفقائے تنظیم اسلامی پشاور

"بھائی افتخار احمد مرحوم سفرنامے مرتب کرتے کرتے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو گئے۔ جانے والوں کا غم اپنی جگہ لیکن ہر جانے والا ہمیں یاد دلا جاتا ہے کہ "آج ہم کل تمہاری باری ہے"۔ مجھے یہ فخر ہے کہ میں ان سے دینی اخوت کے رشتہ میں پیوستہ تھا۔ آپ کی ان سے دوہری رشتہ داری تھی لہٰذا آپ کا غم میرے غم کے تناسب سے دوچند ہے۔ بہرحال میرے لئے یہ کم اعزاز نہیں ہے کہ میں آپ کے غم میں شریک ہوں۔ ان کے اہل خانہ سے تعزیت کے لئے بھی مجھے آپ کی عنایت کی ضرورت ہے۔ برائے کرم ان تک میری، میرے اہل خانہ، میرے رفقاء کار اور حلقہ سندھ و بلوچستان کے کل رفقاء کی تعزیت پہنچا دیں۔

بھائی افتخار مرحوم کی خوش قسمتی ہے کہ وہ اپنے آخری لمحات تک دین کی جدوجہد سے وابستہ رہ کر فلاح اخروی کے امیدوار بن گئے اور میری یہ بدقسمتی ہے کہ شدید خواہش کے باوجود بھی نماز جنازہ میں شرکت نہ کر سکا"۔

محمد نعیم الدین، کراچی
(ناظم تنظیم اسلامی، حلقہ سندھ و بلوچستان)

"آپ کے برادر خورد محترم افتخار صاحب کے انتقال پرملال کا سن کر دلی صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ان کی بحیثیت آپ کے بھائی اور تنظیم کے رفیق خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ تنظیم و تحریک خلافت کے لئے ان کی تحریری صلاحیتیں جس طرح کام آ رہی تھیں اس کا نعم البدل فی الحال کوئی نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ کل جنوبی تنظیم کے اجتماع میں ان کے انتقال کی خبر سن کر ان کے لئے اجتماعی دعائے مغفرت کی گئی"۔

فقط والسلام مع الاکرام
آپکا رفیق
واجد علی رضوی
(معتمد تنظیم اسلامی کراچی جنوبی)

"محترم افتخار صاحب کی رحلت کی خبر سن کر دلی افسوس ہوا۔ شاید یہ آپ کے لئے زندگی کا سب سے بڑا صدمہ ہو۔ مرحوم و مغفور نے واقعتاً آپ کے دست و بازو بننے کا حق ادا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کی دین کے انقلابی فکر اور تحریک کے لئے مالی و جانی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور خاص طور پر اس فکر کی مدافعت اور توسیع کے لئے ان کی تحریروں کو ان کے لئے توشہ آخرت بنائے۔

میں اور کراچی شرقی ۳ کے تمام رفقاء اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور آپ کو اور دیگر لواحقین کو اس صدمہ پر صبر جمیل کی سعادت عطا فرمائے"۔

نوید احمد
امیر تنظیم اسلامی کراچی شرقی ۳

"کسی مہمان کی زبانی آج الہدیٰ کتب و کیسٹ لائبریری تیمر گرہ میں یہ اطلاع ملی کہ انہوں نے کل کے اخبار یعنی ۷ جون والے پرچے میں بزرگوارم افتخار احمد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر پڑھی ہے۔ یہ خبر ہمارے لئے ایک اندوہناک خبر ہے کیونکہ افتخار احمد صاحب کی شخصیت ہمارے لئے ایک عظیم نعمت تھی، کیونکہ انہوں نے تحریک کے لئے جو قلمی جہاد کا بیڑا اٹھایا تھا اس کا نعم البدل بہت مشکل سے ملے گا۔ دوسری طرف وہ آپ کے نہ صرف یہ کہ بھائی تھے بلکہ اس میدان جہاد میں آپ کے بہترین مونس اور غم خوار ساتھی بھی تھے۔ ان کی جدائی ہم سب کے لئے نہایت ہی غم اور صدمہ کا سبب ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس بزرگ اور محسن کو جنت الفردوس عطا فرما کر ان کی مغفرت فرمائے۔ آپ اور دیگر اعزہ و متعلقین کو اس سانحہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور ان کی برکات اور حسنات کو خاندان میں جاری رکھے۔ آمین۔ تیمر گرہ اسرہ سے تعلق رکھنے والے تمام رفقاء تنظیم اور دیگر احباب اس سانحہ پر نہایت سوگوار ہیں"۔

محمد نعیم
رفقاء تنظیم اسلامی تیمر گرہ ضلع دیر

"جناب اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی خبر سن کر دلی افسوس ہوا۔ موصوف نے اپنی مالی و جانی خدمات سے نہ صرف آپ کے بھائی ہونے کا بلکہ راہ حق میں آپ کے رفیق ہونے کا حق ادا کر دیا۔ ان کی رحلت واقعی آپ کے لئے ایک بہت بڑا صدمہ ہے۔ میں خداوند کریم سے دعاگو ہوں کہ وہ مرحوم کی دینی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان کی بخشش فرمائے اور انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی اور مرحوم کے تمام اقربا کو صبر جمیل کی سعادت عطا فرمائے"۔

خصوصی دعاؤں کی درخواست کے ساتھ

عبداللطیف عقیلی، کراچی

۱۲جون۹۵ء

"جناب اقتدار احمد صاحب مغفور کی موت کی خبر سن کر گہرا رنج و دکھ پہنچا۔ یقیناً یہ ہمارے لئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کاموں میں بندہ مومن کو صرف اور صرف صبر کرنا چاہئے۔ جناب میری طرف سے اور رفقاء اسرہ دیر کی طرف سے دعا ہے کہ مرحوم کو اللہ تعالیٰ اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور آپ لوگوں کو اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق دے۔ آمین"

سعید اللہ خان

نقیب اسرہ، دیر

۹جون۱۹۹۵ء

"اقتدار احمد صاحب ہم سے روٹھ کر چلے گئے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اگرچہ اب وہ منوں مٹی تلے ابدی نیند سو رہے ہیں تاہم ان کی حسین یادوں کی خوشبو ہمارے دماغ کو معطر کئے ہوئے ہے۔ وہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن اپنی نیک سیرت، بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے مدتوں ہمارے درمیان زندہ و جاوید رہیں گے۔ وہ خوشحال خان خٹک کے اس شعر کا مصداق ہیں کہ اچھے لوگ نام کے ساتھ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ طبعی موت مر کر بھی ہم میں زندہ رہتے ہیں۔

ندائے خلافت کے لئے انکی جو خدمات ہیں ہم سب انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ میری یہ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔ آمین"

بلال، تیمرہ گرہ، ضلع دیر

"یہ چند سطور محترم اقتدار احمد صاحب کی اچانک رحلت پر اظہار افسوس کے لئے لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ آپ سے زبانی افسوس ٹیلیفون پر کر دیا تھا لیکن اس افسوس کی شدت شاید آپ کو Convey نہیں کر سکا۔

محترم اقتدار احمد صاحب مرحوم سے نیاز مندی کا سلسلہ تو تنظیم میں میرے شامل ہونے اور پھر لاہور آنے جانے سے قائم ہو گیا تھا لیکن پچھلے چند سالوں میں ان کے ساتھ کچھ Quality time گزارنے کا موقع ملا۔ ان کے خلوص محبت مہمان نوازی اور سب سے بڑھ کر اسلام سے محبت اور اقامت دین کی جد و جہد کے ساتھ ان کی COMMITMENT سے اور آپ سے محبت اور تعاون علی البر و تقویٰ نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو جنت فردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام پس ماندگان کو صبر و جمیل عطا فرمائے۔ میری طرف سے ان کے تمام صاحبزادگان خصوصاً عزیزم اسد کو ذلی تعزیت کا پیغام پہنچا دیں"۔

نیازمند

زین العابدین

کراچی

"آج کا نوائے وقت نظر سے گزرا۔ محترم اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی خبر پڑھتے ہی آنکھ سے بے اختیار آنسو چھلک پڑے۔ پہلے تو یقین ہی نہیں آیا۔ بار بار پڑھا تو مجبوراً یقین کرنا پڑا۔ یہ زندگی تو واقعی چند روزہ ہے۔ پھر ایک نئے دور میں داخل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

"ندائے خلافت" تنظیم اسلامی، تحریک و فکر خلافت اور آپ کے لواحقین کو ان کی شدت سے کمی محسوس ہوئی۔ اللہ آپ سب کو اور ہر اس کو جو مرحوم و مغفور کی کمی محسوس کر رہا ہے، صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

جذبات کا ایک دریا ہے اور قلم ہے کہ ساتھ نہیں دے رہا۔ مجھ میں تعزیت کرنے کا نہ تو سلیقہ ہے اور نہ ہی تحریر کا قرینہ۔ بس اک دعا ہے جو دل زخم خردہ سے نکل رہی کہ اللہ انہیں اپنی مغفرت کے سائے میں لے لے۔ آمین"

خاکسار

عاکف غنی، فرانس

"روزنامہ پاکستان کی خبر سے معلوم ہوا کہ آپ کے برادر اور ہمارے محسن اقتدار احمد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ ایک بھائی کے بچھڑ جانے پہ آپ یقیناً فطرتاً مغموم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو یہ صدمہ صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ مرحوم یقیناً آپ کے لئے دست راست تھے اور انہوں نے عملاً یہ ثابت بھی کیا۔

ہمیں بھی ایک محسن مربی اور شفیق رفیق کے انتقال فرمانے پر ملال ہے۔ میرے ساتھ میرے جملہ ساتھی محترم راجہ اکرم صاحب، راجہ رستم صاحب، رفیق محترم تاج افسر صاحب، سبھی تعزیت کر رہے ہیں۔ ہماری دعا ہے خداوند کریم مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔ آمین!! اور آپ کا سایہ تادیر ہم پہ سلامت رکھے"۔

راجہ محمد داؤد خان

ملتزم رفیق تنظیم اسلامی

"آج "ندائے خلافت" میں غمناک خبر پڑھ کر میرا دل بھی بیٹھ گیا، نجانے آپ پر کیا بیتی ہو گی۔ ایک ایسے عظیم انسان، بیباک صحافی اور اسلام کے نڈر سپاہی جو تنظیم اور تحریک کے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتے تھے، کا اتنے جلد چلے جانا ہم سب کے لئے عظیم نقصان ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس عطا فرمائے، آپ اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین"

الطاف احمد پراچہ، کوہاٹ

"ہیرکوٹ، آزاد کشمیر

"جناب اقتدار احمد کے انتقال کی خبر روزنامہ خبریں میں پڑھی۔ پڑھتے ہی شدید صدمے اور نقصان کا احساس ہوا۔ اللہ تعالیٰ جناب اقتدار احمد صاحب کی مغفرت فرمائے اور اونچے درجے عطا فرمائے۔ تنظیم کے لئے تو بڑا حادثہ ہے ہی جبکہ آپ کے لئے یہ ذاتی نقصان بھی ہے۔ اس لئے کہ آپ کے سب بھائیوں میں دین کے حوالے سے اس قدر ہم آہنگی اور معاونت کسی اور طرف سے نہ تھی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس کمی کے لئے اللہ کوئی وسیلہ بنا دیں۔

تنظیم اسلامی کوئٹہ کے ساتھی آپ سے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور آپ کے اور اقتدار احمد صاحب کے لواحقین کے لئے دعاگو ہیں کہ اللہ انہیں صبر اور ہمت عطا فرمائے"۔

محبوب سبحانی

امیر تنظیم اسلامی کوئٹہ

"محترم اقتدار احمد صاحب کے انتقال پر ملال کی جانکاہ خبر موصول ہوئی۔ سن کر شدید رنج و صدمہ پہنچا۔ پروردگار عالم ان کی مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی جملہ مشکلات کو آسان فرمائے۔ نیز تمام پسماندگان بہ شمول آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کے لئے یہ صدمہ یقیناً ناقابل برداشت ہو گا۔ نہ صرف یہ کہ برادر

خورد کی حیثیت میں بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہ دین کے حوالے سے انہوں نے ہمیشہ آپ کی دامے' درمے' دسخنے مدد فرمائی۔ اور غالباً یہی حوالہ آپ کی اور ان کی انتہائی قربت کا ہے۔ بہرحال اللہ رب العلمین کا ایک نظام ہے جس کی مصلحتوں اور مشیت سے ہم آگاہ نہیں۔ ہم راضی بہ رضائے رب ہیں۔ اور ہمیں بھی اسی کی جانب لوٹ جانا ہے۔ بس آگے پیچھے کی بات ہے"۔

آپ کے غم میں شریک

برہان۔ کوئٹہ

"ایک دوست کی زبانی معلوم ہوا کہ محترم اقتدار احمد صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے' انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کی بشری غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور ان کو جنت عطا فرمائے اور انکے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مرحوم نے ماں جائے ہونے کا حق ادا کیا۔ اور واقعی حقیقی معنوں میں آپ کے دست و بازو بنے۔ اس لئے آپ کا غم دوہرا ہو گا۔ ایک بھائی کے بچھڑنے کا اور دوسرا بہترین رفیق کار کی جدائی کا۔ مرحوم نے تنظیم کے لئے اپنی بیماری اور ناسازی طبع کے باوجود آخری وقت تک قلم کی معاونت کو وقف رکھا۔ اللہ ان کو اس کا بھی اجر عطا فرمائے۔

ایک بار پھر دعا ہے رب کریم مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور اللہ ان کے اعمال کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین"

جاوید اسلام خان

تحصیل تونسہ' ملتان

"کل سہ پہر محترم اقتدار احمد صاحب کی وفات حسرت آیات کی خبر نہایت دکھ اور افسوس کے ساتھ سنی گئی اور اسرہ کی میٹنگ میں مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔ ہمارے رفقائے کرام نے صدمے کا اظہار کرتے ہوئے مرحوم کو خراج عقیدت پیش کیا اور ان کی خوبصورت تحریروں اور دینی خدمات کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔ مرحوم بے پناہ صلاحیتوں کے مالک تھے اور جس خوبصورتی سے اپنی تحریروں میں دعوت پیش کرتے تھے وہ انہیں کا حصہ تھا۔ انکے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ اپنے اندر معانی کے دریا لئے ہوئے ہوتا اور دینی جذبات سے بھی بھرپور ہوتا تھا۔ ہم اپنے ایک بہت بڑے مجاہد ساتھی سے محروم ہو چکے ہیں۔ ان کی خالی جگہ پر ہونا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت اور جنت الفردوس میں مقام عطا کرے اور تمام لواحقین اور وابستگان کو صبر جمیل عطا کرے! آمین ثم آمین۔ کاش ان کی نماز جنازہ میں شرکت نصیب ہو سکتی اور آخری دیدار بھی۔ ان کے اہل خانہ تک ہمارے یہ تعزیتی جذبات پہنچا دیجئے گا"۔

والسلام

غمزدہ دل کے ساتھ

سید محمد آزاد (نقیب اسرہ جاتلاں)

ضلع میرپور۔ آزاد کشمیر

ان کا ہر ہر لمحہ اپنے عظیم بھائی کی محبت میں سرشار گزرتا تھا

اقتدار صاحب سے گو ہمارا کوئی خونی رشتہ تو نہیں تھا' لیکن دینی اور تحریکی رشتہ تو تھا!

ناظمہ حلقہ خواتین تنظیم اسلامی کے نام ٹیکسلا سے ایک تنظیمی بہن کا تعزیتی خط

محترمہ خالہ جان صاحبہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

"اقتدار احمد صاحب کی اچانک وفات کی خبر سن کر نہایت ہی افسوس ہوا اور میرے دل کی جو کیفیت ہوئی اس کو شاید میں بیان نہ کر سکوں۔ علی صاحب تو صبح پانچ بجے جنازہ میں شرکت کے لئے لاہور روانہ ہو گئے تھے۔ میں تمام دن تنہا رہی اور متعدد بار روتی رہی حالانکہ اپنی زندگی میں میں نے کئی ایک اموات کے صدمے سہے ہیں۔ جن میں باپ' سگی خالہ اور دو نوزائیدہ بچیوں کے صدمے بھی شامل ہیں۔ لیکن اقتدار صاحب کی موت پر جو دل کی حالت ہوئی وہ بیان سے باہر تھی۔ دل چاہتا تھا کہ کوئی میرے سامنے ہو جس کے گلے لگ کر میں پھوٹ پھوٹ کر روں۔ مجھے اب اندازہ ہوا کہ ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑا رشتہ خون کا نہیں بلکہ دین کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اقتدار صاحب سے ہمارا کوئی خونی رشتہ تو نہ تھا۔ لیکن دینی رشتہ اور تنظیمی رشتہ تو تھا نا۔ پھر وہ ڈاکٹر صاحب کے (جن کے لئے ہر سانس کے ساتھ درازی صحت اور رحمت کی دعا ہے) دست و بازو اور ایک مضبوط سہارا تھے۔ ان کا قلم کس قدر بے جگری کے ساتھ ہر اس شخص پر حملہ آور ہوتا تھا جو ڈاکٹر صاحب پر تنقید کرتا یا ان کی کردار کشی کی کوشش کرتا تھا۔ ان کا ہر ہر لفظ ان کا ہر سانس اور ہر ہر لمحہ اپنے عظیم بھائی کی محبت میں سرشار تھا۔ وہ اپنے بھائی پر دل و جان سے نچھاور تھے۔ وہ نہ صرف انجمن کے سرپرستوں میں شامل تھے بلکہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن دل غم کے آنسو بہائے جاتا ہے۔ لگتا ہے نہ صرف ان کے بچے یتیم ہوئے بلکہ تنظیم کا ہر فرد یتیم ہو گیا۔ "میثاق" بھی "ندائے خلافت" بھی سب یتیم ہو گئے۔ اب یہ آنکھیں انکی تحریروں کیلئے ترستی ہی رہیں گی۔ یا اللہ میاں بے شک تو ہی بہتر جاننے والا ہے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کو تو ابھی اقتدار صاحب کی بہت ضرورت تھی۔ یا اللہ اگر ڈاکٹر صاحب نے اور ہم سب نے اس عظیم سانحہ پر محض تیری خوشنودی کی خاطر صبر کیا ہے تو تو اس کا اجر ہمیں عطا کر اور تنظیم کے ہر رکن کو اقتدار بنا دے کیونکہ اس وقت تنظیم کو اور ڈاکٹر صاحب کو ایک نہیں لاکھوں اقتداروں کی ضرورت ہے کیونکہ یہ ناؤ تو ابھی بیچ منجدھار کے ہے اور اس کا ملاح چھن چکا ہے۔

فقط والسلام

بیگم علی رضا

رفیقہ تنظیم اسلامی

"پرسوں صبح محترم اقتدار احمد صاحب کے انتقال کی خبر سننے کو ملی۔ ایک ایسا بھائی جو نہ صرف اس دار فانی میں آپ سے محبت کرنے والا تھا بلکہ وہ دار الاخرت کی کمائی کرنے میں بھی آپ کا شریک کار تھا۔ آپ کے لئے اس دنیا میں ان کی موت کا غم اور احساس مجھ جیسے انسان کے لئے بھی سمجھ سے دور نہیں' جو ان کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے ان سے کبھی کبھار ملتا رہا ہے۔ میرا ان کے ساتھ رشتہ بھی اتنا ہی پرانا ہے' جتنا آپ کے ساتھ۔ یہ

تعلق پہلے "ندا" کے ذریعے پھر "ندائے خلافت" کے ذریعے قائم رہا۔ ماضی میں جب بھی ان کے متعلق ذہن منتقل ہوا تو ان کی وضع داری اور خاص طور پر ان کی ادارت میں شائع ہونے والے مجلّہ کے انوکھے ڈھنگ نے ان کا خاص مقام ذہن میں پیدا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ اور دنیا میں ان کے ذریعے جو بھی خیر وجود میں آیا ہے' اللہ تعالیٰ اس کو اتنا بڑھائے اور پھیلائے کہ ان کے رفع درجات کا وافر سامان ان کو ہمیشہ کے گھر میں میسر آ جائے۔ آمین"

محمد رشید عمر
ناظم تنظیم اسلامی حلقہ پنجاب (غربی)

"اس وقت قلم میرے جذبات کا صحیح ساتھ نہیں دے رہا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ محترم اقتدار احمد صاحب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے ہیں تو اس وقت سے عجیب غم و اندوہ کی سی کیفیت طاری ہے۔ یقیناً وہ آپ کے دینی کام میں معاونت کے اعتبار سے ستون کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور یقیناً یہ صدمہ بڑا صدمہ ہے' اسے بھلایا نہیں جا سکتا لیکن سنت اللہ ہے اور دستور دین و دنیا یہی ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محترم جناب اقتدار احمد صاحب کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان پر اپنے انعام و اکرام کی بارش فرمائے آپ کو یہ صدمہ جھیلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔"

صادق بھٹی
ڈیرہ اسمٰعیل خان

"کل بروز جمعہ ۹ جون تنظیم اسلامی ضلع وسطی کے دفتر میں محمد طارق صاحب سے ملاقات ہوئی' انہوں نے بتایا کہ بروز منگل مورخہ ۶ جون کو محترم اقتدار احمد صاحب اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ یہ خبر سن کر بے حد افسوس ہوا جو کہ فطری بات ہے۔ اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ سب متعلقین کو اس صدمے کو برداشت کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ "ندائے خلافت" کے ذریعہ ایک وسیع حلقہ ان کا معتقد تھا' نہ صرف پاکستان میں بلکہ بیرون ملک بھی۔ یہاں کراچی کے رفقاء کو بے حد صدمہ پہنچا' کیونکہ گذشتہ ہفتہ سے یہاں کے حالات بہت زیادہ خراب تھے۔ رفقاء سے رابطہ نہ ہو سکا۔ اللہ پاک ہم سب کی دعاؤں کو قبول فرمائے اور مرحوم کو اعلیٰ درجات نصیب فرمائے"۔

خاکسار شریف احمد خان کراچی

ان حضرات کے اسماء گرامی جن کے خطوط شائع نہیں کئے جا سکے

ارباب سیاست و صحافت اور اہل علم و دانش

بے نظیر بھٹو' وزیر اعظم پاکستان' اسلام آباد
ریاض فتیانہ' (صوبائی وزیر تعلیم) لاہور
چوہدری رحمت علی' امیر عالمی تحریک خلافت لاہور
چوہدری محمد ادریس ایڈووکیٹ' ممبر بار کونسل
عارفین لودھی' ٹیکساس (امریکہ)
ہمایوں اختر خان (ایم این اے)' لاہور
پروفیسر احمد عبدالرحمٰن صدیقی' لاہور
حافظ محمد عزیز الرحمٰن خورشید' منڈی بہاؤالدین
قاری محمد یوسف رحمانی' نائب مہتمم جامعہ فرقانیہ
ڈاکٹر اے ایس کے غوری' لاہور
ڈاکٹر فیض الرسول' فیصل آباد
محمد اسلم خان' مدیر پندرہ روز "آواز" اسلام
محمد داؤد افغانی' چارسدہ
عبدالعزیز بخاری' لاہور
غلام ناصر مغل' نمائندہ خصوصی "نوائے وقت"
مولانا سید محمد کفیل بخاری' مدیر ماہنامہ "نقیب ختم نبوت"
پرویز اے - جے- خان' چیف ایڈیٹر "JAMA"
فیروز غفرانی (کونسل جنرل)' قونصلیٹ جنرل آف ایران
سلامت علی کمال (سیکرٹری جنرل پیپلز پارٹی) لاہور

رفقاء تنظیم اسلامی و دیگر احباب

عبدالرزاق نیازی' سعودی عرب
گل رحمان' باجوڑ ایجنسی
میاں ساجد حمید' لاہور
محمد اشرف' ابوظہبی
محمد انور عباسی' دبئی
غلام مصطفیٰ' الریاض (سعودی عرب)
عبدالغفور چوہدری
خادم حسین' ابوظہبی
محمد بن عبدالرشید رحمانی' جدہ (سعودی عرب)
غلام رسول بھٹی' الوسیع (سعودی عرب)
محمد سلیمان نذیر' سیالکوٹ
محمد شفیق' مانٹریال (کینیڈا)
محمد صالح' گوجرانوالہ
عبدالعظیم' کراچی
رائے محمد صالح خان' کراچی
محمد راشد گنگوہی' گجرات
سید نسیم الدین' کراچی
محمد عبدالمقتدر' کراچی
عشرت حسین' کراچی
میاں محمد افضل' لاہور
پروفیسر محمد اشرف ندیم' گجرات
رفقاء تنظیم' ڈیٹرائٹ (امریکہ)
رفیقات تنظیم اسلامی' لندن
رفقاء تنظیم اسلامی' لندن
رفقاء تنظیم اسلامی' پیرس
رفقاء تنظیم اسلامی' نارتھ امریکہ
اختر ندیم' کراچی
فرخ ایس خان' کیلیفورنیا (امریکہ)
رفقائے تنظیم اسلامی' ٹورنٹو (کینیڈا)
غلام سبحانی' شکاگو (امریکہ)
ڈاکٹر عبدالخالق' رحیم یار خان
ابن الغطامی' لاہور
جاوید اقبال انجم' چکوال
خواجہ عبدالباری' منگورہ' سوات
فرید احمد محبوب ترمذی' لاہور
شیخ محمد یاسین' کینیڈا
عبداللطیف' فیروز سنز' لاہور
عبدالصمد قریشی' ساہیوال
شیخ نثار احمد' ساہیوال
محمد مقبول' ملتان
نبی احمد وڑائچ' گوجرانوالہ
میاں محمد مقبول' لاہور
فہیم صدیقی' جدہ سعودی عرب

نوٹ

مرحوم کے جنازے میں تو بحمد اللہ اعزہ و اقارب اور رفقاء و احباب کے علاوہ اہل علم و دانش اور ارباب صحافت کی ایک کثیر تعداد بھی شریک تھی۔ بعد میں تعزیت کے لئے امیر تنظیم اسلامی کے پاس آنے والوں میں قاضی حسین احمد' جناب نعیم صدیقی' رانا نذر الرحمٰن' جناب مجید نظامی' جناب چودھری مظفر حسین' مولانا خورشید احمد گنگوہی' ڈاکٹر مبشر حسن' جناب کے ایم اعظم' پروفیسر حافظ احمد یار اور چوہدری شہباز الدین کے نام قابل ذکر ہیں۔

بقیہ : کراچی سیمینار

تجویز کریں۔ اگر ناکام ہو جائیں تو چیف آف آرمی شاف ان دونوں کو ایک میز پر بٹھانے کے لئے اسی طرح کا کردار ادا کریں جس طرح ۹۳ء میں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف صاحب کو بتانا چاہئے کہ مہاجروں پر کتنے مقدمات سچے ہیں اور کتنے بوگس! انہوں نے کہا کہ متفقہ لائحہ عمل تشکیل دینے کے بعد نواز شریف اور بے نظیر دونوں کو الطاف حسین سے لندن میں جا کر ملاقات کرنی چاہئے اس لئے کہ وہ واقعتاً لیڈر ہے۔ اگر دونوں کی طرف سے کوئی متفقہ بات ہائے گی تو وہ ماننے پر مجبور ہو گا۔

جناب ایس ایم ظفر کی تقریر کے بعد ہمارا یہ وگرام ساڑھے دس بجے اختتام پذیر ہوا۔ قرآن ڈیٹوریم کا وسیع و عریض ہال حاضری کا متحمل نہیں ہو رہا تھا لہٰذا بہت سے حضرات نے قریبی پارک میں ارٹ سرکٹ کی مدد سے ایک بڑے سکرین پر یہ وگرام دیکھا۔ حاضرین نے انتہائی دلجمعی اور توجہ کے ھ تمام دانشوروں کی گفتگو سنی۔ یہ اس بات کا ت ہے کہ قوم کراچی کے مسئلہ پر کس قدر بے ن ہے کہ مختلف حضرات کے متضاد موقف سننے کے نود کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی جو اس طرح ، پروگراموں میں اکثر دیکھنے سننے میں آتی رہتی ۔ ایک غیر معمولی بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ریں میں سے کوئی صاحب بھی سیمینار کے دوران کر نہیں گئے' بلکہ تمام مقررین آخر وقت تک ڈیم میں موجود رہے اور انہوں نے ایک رے کے خیالات کو پوری توجہ سے سنا۔ اس کے تمام مہمان مقررین نے "تحریک خلافت" کی اس ش کو سراہا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں' اہل علم ل اور ارباب سیاست و صحافت کو اپنے ذاتی و ی مفادات سے بالاتر ہو کر اس اہم مسئلے پر غور و ر عملی اقدام کی توفیق عطا فرمائے۔OO

بقیہ : آواز دوست

میں ظہور پذیر ہوئے کہ آج تک ایک سپاہی اور فوجی کی حیثیت سے کوئی ٹریننگ اور تربیت نہیں کی تھی۔ وہ ایک فاتح' ایک بے مثل اور ساتھ ہی برد تقویٰ اور عدل و قسط کے پیکر یت سے تاریخ انسانی میں انمٹ نقوش ثبت کر ان قدوسیوں میں یہ تمام استعدادات اور صلاحیتیں خداداد موجود تھیں ---- اسلام نے ان کے ظہور کا موقع فراہم کیا۔

اس تناظر میں یہ عاجز جب بھائی اقتدار احمد مرحوم و مغفور کی زندگی کا جائزہ لیتا ہے تو اسے مرحوم دین کے ایک سچے خادم اور تنظیم کے ایک قابل تقلید و رشک اور مخلص نیز فداکارانہ جذبے سے معمور رفیق نظر آتے ہیں' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا کردہ نعمتوں کے ظہور کے لئے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق مواقع بھی عنایت فرمائے۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ ونور مرقدہ واکرم نزلہ ویسر منزلہ ووسع مدخلہ وقہ عذاب القبر وعذاب النار وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیرا۔

بقیہ : امیر تنظیم کے قلم سے

احمد مع جملہ اہل و عیال تنظیم اسلامی میں بھی شامل ہو گئے!"

☆ ☆ ☆

اپنے مضمون "حساب کم و بیش" کے آخری صفحات میں ایک جگہ جہاں امیر تنظیم نے اپنے کرشن نگر میں واقع مکان کی فروخت کا ذکر کیا ہے' وہاں بھی مرحوم کے تعاون خصوصی کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے :

"... آج سے چار پانچ سال قبل جب برادرم اقتدار احمد نے بھی اپنا نیا دفتر (واقع لوئر مال) تعمیر کر لیا تو میرے کرشن نگر والے مکان کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں اسے کسی دوسرے شخص کو کرائے پر دے کر مستقل درد سر مول لینے پر آمادہ نہیں تھا' لہٰذا کچھ عرصے تک تو برادرم اقتدار احمد اسے خالی رکھ کر بھی کرایہ ادا کرتے رہے لیکن پھر میرے کہنے پر انہوں نے اسے فروخت کر دیا (اس معاملے میں بھی یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا کہ میں اس مکان کے چھ لاکھ روپے لوں گا' چنانچہ انہوں نے ایک گاہک سے اتنی ہی رقم میں سودا طے کر لیا۔ لیکن جب رجسٹری کا مرحلہ آیا تو خریدار نے اسٹامپ ڈیوٹی کے خیال سے کم قیمت کی رجسٹری کرانی چاہی' جس پر میں نے انکار کر دیا اور اس طرح برادرم اقتدار احمد درمیان میں پھنس گئے کہ ایک جانب مشتری سے وعدہ کر لیا تھا اور دوسری جانب بائع یعنی مجھ سے چھ لاکھ کی کمٹمنٹ تھی۔ چنانچہ انہوں نے رجسٹریشن فیس میں غالباً چالیس ہزار روپے اپنی جیب سے ادا کر کے پورے چھ لاکھ ہی کی رجسٹری کرائی --- چنانچہ اتنی رقم کی رجسٹری کرشن نگر کے دس مرلے کے مکان کی شاید ہی کبھی کوئی اور ہوئی ہو۔!)OO

بقیہ : تعزیتی خطوط

پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ادارے کو ان کے جانے سے جو نقصان ہوا ہے اس کا وہ غیب سے ازالہ کرے۔ آمین۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز میرے جذبات میں برابر کا شریک ہے۔

سجاول خان رانجھا

مدیر ماہنامہ دینی صحافت' اسلام آباد

۱۲ جون ۱۹۹۵ء

محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

السلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ'

آج ہی اخبار میں آپ کے چھوٹے بھائی کی وفات کے بارے میں پڑھا۔ پڑھ کر دلی رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے (آمین) آپ کو اور دیگر تمام لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین) میری جانب سے اور ادارے کی جانب سے مرحوم کے اہل خانہ تک یہ جذبات پہنچا دیں۔ ان کی مغفرت کے لئے ہم تمام لوگ دعاگو رہیں گے

فقط والسلام

الحاج حافظ نسیم محمود خلیل

مہتمم اعلیٰ مرکزی مدرسہ دارالتجوید

راولپنڈی

محترم اقتدار احمد مدیر "ندائے خلافت" کی وفات پر دلی صدمہ ہوا۔ مجھے ان سے "ندا" کے آخری دور میں ملنے اور ان کی باوقار شخصیت کے مطالعے کے متعدد مواقع ملے۔ مجھے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے مجھے "ندا" کے کالم نگاروں میں شریک کیا اور اپنی پسند کے ادبی موضوعات پر آزادی سے لکھنے کا موقع دیا۔ ان کی ایک نمایاں خوبی یہ تھی کہ وہ ادب کی محاذ آرائیوں کو پسند نہیں کرتے تھے اور گروہ بندیوں کو ادب کے اجتماعی مفاد کے منافی تصور کرتے تھے۔ افسوس کہ اب ان جیسے لوگ اردو صحافت میں نایاب ہیں۔ ان کی رحلت صحافت' ادب' سیاست اور ان سب پر مستزاد قوم کے لئے نقصان عظیم ہے۔ حق تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔

مخلص

(ڈاکٹر) انور سدید

DAWN, SATURDAY JULY 1, 1995

`More provinces needed for stable Pakistan'

From Our Correspondent

LONDON, June 30: Pakistan needs more provinces than the present four for the administrative stability of the country. The suggestion was made at a meeting held at the School of African and Oriental Studies (SOAS) , London University, to launch a book written by a senior Pakistan journalist, Mr. Qutubuddin Aziz,.

Mr. Aziz, the author or *Exciting Stories to Remember,* said that Pakistan should, for the sake of democracy, be sub-divided into at least 12 provinces. "But these should be created not on linguistic and ethnic considerations."

The new entities should be established for the administrative stability of the country which has gone through a population explosion and needs further sub-division to make governance easier.

Mr. Aziz's book a memoir of his journalistic career was discussed by a number of speakers, including lawyers and academics. Dr. David Taylor, Dean of Undergraduate Studies at the SOAS, who chaired the meeting spoke about the need for reforming the United Nations one of the topics of the book in the post Cold War World.

Dr. S.A. Naqvi, former Director of Archaeology in Pakistan, who recently retired from the United Nations Education, Scientific and Cultural Organisation (UNESCO), Paris, called for an end to the veto powers of the five permanent members of the UN Security Council.

He said that a two-thirds majority should be made the requirement for passing Security Council resolutions and the council should be expanded in keeping with the increase in UN membership over the last 50 years.

Dr. Naqvi laid stress on more effective implementation of the UN resolutions than has hitherto been the case.

ایک اور صوبے کا مطالبہ

ایئر مارشل (ر) محمد اصغر خان

ایک خبر نے کہ ایم کیو ایم نے ایک علیحدہ صوبہ کا مطالبہ کیا ہے یا کرنے والے ہیں۔ اخبارات میں ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ سندھ کے علاوہ دیگر صوبوں سے بھی تعلق رکھنے والے کچھ سیاسی رہنماؤں نے اس تجویز کو ملک اور قوم سے غداری قرار دیا ہے۔ مجھے ان خیالات سے اتفاق نہیں اور میں اس قسم کی تنقید کو غیر سیاسی اور غیر مناسب سمجھتا ہوں۔ صوبوں کی تعداد یا ان کی سرحدیں کوئی ایسی چیز نہیں جنہیں بدلنے کی خواہش کو غداری قرار دیا جائے بشرطیکہ پاکستان خوشحال اور مستحکم ہو۔ پاکستان کے چار کے بجائے پانچ دس یا بارہ صوبے ہو سکتے ہیں۔

اس خطہ میں جسے آج پاکستان کہتے ہیں شہنشاہیت اور جاگیردارانہ نظام نے لوگوں کے ذہنوں کو کچھ اس طرح متاثر کیا ہوا ہے کہ ہم بڑی آسانی سے آمرانہ مرکزیت کے نظام کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود کہ ہم اس ملک میں ۱۹۷۲ء سے پارلیمانی جمہوریت رائج کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ہم نے بیس سال سے زائد عرصہ کے لئے فوجی آمریت کو قبول کیا۔ آج بھی جاگیردارانہ اور استحالی طبقہ خوش ہو گا اگر آمریت پھر ملک پر مسلط ہو جائے۔ ون یونٹ کے تجربہ کے بعد بھی ہمارا حکمران طبقہ مرکزیت کو ملک چلانے کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ ہمارے ملک میں وفاقی نظام کی کوئی چیز نہیں اور دراصل پاکستان کا سیاسی نظام وفاقی نہیں بلکہ وحدانی ہے۔ مشرقی پاکستان کے تجربہ سے ہم کچھ نہیں سیکھ سکے۔

صوبہ بنیادی طور پر ایک انتظامی یونٹ ہے' جس سے عوام کے مسائل حل کرنے میں مدد ملنی چاہئے۔ ملک میں اس وقت سب سے بڑا مسئلہ کراچی کا ہے جہاں عوام احساس محرومی کا شکار ہیں اور جہاں ان کو اپنے شہر کے مسائل حل کرنے کا کوئی موقع نہیں دیا جاتا۔ صوبہ سندھ کے علاوہ بھی کچھ اسی قسم کے مگر قدرے کم سنگین مسائل کا سامنا دیگر صوبوں کے عوام کو بھی ہے۔ صوبہ سرحد میں ہزارہ' ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں ڈویژنوں اور پنجاب میں ملتان' ڈیرہ غازی خان اور بہاولپور ڈویژنوں میں بھی صوبائی حکومت کی عدم توجہی کی وجہ سے وہاں کے عوام بھی بے چینی اور احساس محرومی کا شکار ہیں۔ بلوچستان میں مکران اور بلوچستان کے دیگر جنوبی اضلاع میں جو کوئٹہ سے بہت دور ہیں اسی قسم کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ سندھ میں صوبہ کے شمالی اور مشرقی اضلاع میں مثلاً جیکب آباد اور تھرپارکر میں بھی اسی قسم کے مسائل ہیں جو مرکزیت اور دارالخلافہ سے فاصلہ کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر پاکستان کو موجودہ چار کے بجائے بارہ صوبوں میں تقسیم کرنا ایک مناسب تجویز معلوم ہوتی ہے۔ مہاجر جو شاید کراچی میں بھی اکثریت میں نہیں' سندھ کے اس جنوبی صوبہ میں بھی اکثریت میں نہیں ہوں گے مگر ان کی یقیناً اس صوبہ میں آج سے زیادہ موثر آواز ہو گی اور موجودہ کوٹہ سسٹم اور دیگر نامنصفانہ پابندیوں کو ہٹانے کے بعد اگر وہ اپنے معاملات چلانے کے باوجود بھی اپنے حالات کو بہتر نہیں بنا سکے تو یہ ان کا اپنا قصور ہو گا۔

کچھ خود ساختہ تصورات اکثر سیاستدانوں کو محاذ آرائی میں دھکیل دیتے ہیں اور اس سے عوام کی مصیبتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ کوئی تعجب کی بات نہیں ہم اپنے مہاجر بھائیوں کو جو پاکستان میں رہتے ہوئے اپنا علیحدہ صوبہ چاہتے ہوں غدار قرار دیں۔ مشرقی پاکستان میں بھی تو ہم نے کچھ ایسا ہی کیا۔ وہاں کی اکثریت کو ہم نے حکومت نہ بنانے دی اور غدار قرار دیا اور مہاجر وہ لوگ ہیں جن کے بزرگوں نے پاکستان بنانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کیا۔ وقت آگیا ہے کہ ہم سندھ کو برہمن کی وہ مقدس گائے نہ سمجھیں جس کی بات کرنا ہی گناہ ہے۔ پاکستان کے سیاسی استحکام اور عوام کی خوشحالی کا تقاضا ہے کہ پاکستان کو بارہ صوبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ہمیں حالات کا غیر جذباتی انداز میں جائزہ لینا چاہئے اور ملک کی غریب اور ستم زدہ اکثریت کے مفاد کا سوچنا چاہئے۔ ہمیں سیاسی وڈیروں کو اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ اس قوم کو اپنے مفاد کے لئے مزید بیوقوف بناتے رہیں۔OO

(بشکریہ روزنامہ "جنگ" لاہور' ۳ جولائی ۹۵ء)

آئیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ اصل مرض یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے کئے گئے عہد سے بے وفائی کی ہے اور اس کا اصل علاج یہ ہے کہ اس کی جناب میں اجتماعی اور انفرادی سطح پر توبہ کی جائے۔ اجتماعی سطح پر توبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس نظام عدل و قسط کو نافذ کیا جائے جس کے لئے یہ وطن حاصل کیا گیا تھا اور انفرادی توبہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنی زندگیوں میں اور گھروں میں اسلام کو نافذ کیا جائے۔ انہوں نے سورۂ توبہ کی روشنی میں بتایا کہ ہم نے وعدہ خلافی کی ہے جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ آج ہم بحیثیت قوم نفاق باہمی اور نفاق عملی کا شکار ہیں۔

جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں اپنے اندر حقائق کو تسلیم کرنے کی عادت پیدا کرنی چاہئے۔ اس وقت یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم قومیتوں میں بٹ چکے ہیں۔ پہلے ملک چار قومیتوں میں منقسم تھا جبکہ اب ایک پانچویں قومیت کا بالفعل اضافہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس قومیت کو تسلیم کرنا ہو گا' جس کی شکل یہی ہے کہ انہیں الگ ایک صوبہ دیا جائے جہاں کے معاملات ان کے ہاتھ میں ہوں۔ اس لئے کہ "Son of Soil" کے تصور نے انہیں اس ملک میں اجنبی بنا دیا ہے۔ الگ صوبہ دینے سے ان کے احساس محرومی کو کم کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مہاجر دہشت گرد ہیں تب بھی انہوں نے اپنی حیثیت کو تسلیم کروالیا ہے۔ داعی تحریک نے کہا کہ اگر مہاجروں کے لئے الگ صوبہ نہ بنایا گیا تو ملک کسی بڑے حادثہ سے بھی دوچار ہو سکتا ہے۔

داعی تحریک خلافت نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ابھی تک ہم انگریز کے غلام ہیں۔ اس ملک میں جو نظام انگریز چھوڑ کر گیا تھا ہم اس سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے۔ یہی معاملہ صوبوں کی تقسیم کا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صوبوں کو ہم نے آسمانی تقدس عطا کر دیا ہے' جس کے خلاف بات کرنے والا غدار قرار پاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر صاحب نے مخدوم خلیق الزمان کے ایک بیان کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے بھی کہا تھا کہ اگر سندھ تقسیم ہو گا تو پھر پنجاب بھی ہو گا۔ گویا اگر صوبوں کی تقسیم کا معاملہ ایک "پیکج ڈیل" کے طور پر کیا جائے تو ہمارے سندھی بھائی بھی اسے تسلیم کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔

داعی تحریک کے خطاب کے بعد حیدر آباد سے آئے ہوئے ہمارے مہمان مقرر مولانا سید وصی مظہر ندوی کو دعوت خطاب دی گئی' جو حیدر آباد کے سابق میئر' سابق رکن قومی اسمبلی اور وفاقی وزیر رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا کہ اس مسئلے کے چار فریق پیپلز پارٹی' ایم کیو ایم' حزب اختلاف اور کراچی کے عوام ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ اور موقف ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ مولانا نے وہاں کے عوام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ ایم کیو ایم کا ساتھ دینے پر مجبور ہیں۔ وہ دل سے ایم کیو ایم کے ساتھ نہیں ہیں لیکن ان سے جبراً ایم کیو ایم بھتہ وصول کرتی ہے۔ مولانا نے مہاجروں کے ساتھ ہونے والے غیر منصفانہ سلوک کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہر دور حکومت میں مختلف غیر آئینی طریقوں سے مہاجروں کو ملازمتوں اور تعلیمی اداروں سے دور رکھنے کی پالیسی پر عمل درآمد ہوتا رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بھٹو دور میں مہاجروں سے ایک معاہدہ ہوا تھا جس میں مہاجرین کے حقوق کو ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اس معاہدہ پر بھٹو دور میں عملدرآمد بھی ہوتا رہا ہے۔ تاہم ضیاء الحق دور سے لے کر بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت تک' ہر حکومت نے سندھی نواز پالیسی اختیار کئے رکھی۔ ان کا کہنا ہے کہ گزشتہ بیس سال سے مہاجر نوجوانوں کو روزگار سے قطعاً محروم رکھا جا رہا ہے۔ جام صادق کے دور حکومت کا حوالہ دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس دور میں ایم کیو ایم نے اپنے ہی کارکنوں کو ملازمتوں میں کھپانے کی کوشش کی ہے۔

مولانا وصی مظہر ندوی نے الگ صوبے کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ انتظامی بنیادوں پر ملک کو چھوٹے صوبوں میں تقسیم کرنا مفید ہو گا تاہم انہوں نے زور دیا کہ اس کو ملکی سطح پر ایک پیکج ڈیل کے طور پر لیا جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات اب تسلیم کی جانی چاہئے کہ سندھ دو لسانی صوبہ ہے۔ مولانا نے محصورین بنگلہ دیش کی واپسی کا بھی مطالبہ کیا اور اس مسئلے پر بھی اظہار خیال فرمایا۔

داعی تحریک نے مولانا وصی مظہر ندوی کے بعد جنرل (ریٹائرڈ) جناب حمید گل کو دعوت خطاب دی' جو تحریک خلافت کی دعوت پر راولپنڈی سے تشریف لائے تھے۔ جناب حمید گل صاحب نے اپنی گفتگو کے آغاز میں ہی فرمایا کہ اس مسئلے پر قوم کا اجماع ہو چکا ہے کہ اس کا حل مذاکرات ہیں۔ انہوں نے کہا کہ کراچی "منی پاکستان" ہے جہاں مہاجروں کے علاوہ ۱۶ لاکھ پٹھان اور ۲۵ لاکھ پنجابی بھی آباد ہیں۔ جنرل صاحب نے کہا کہ اگرچہ مسئلہ بہت گھمبیر صورت اختیار کر گیا ہے تاہم کراچی کے ملک سے علیحدہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ان کے نزدیک اصل مسئلہ یہ ہے کہ شہری سندھ اور دیہی سندھ کے روزگار اور دوسرے مسائل باہم متصادم ہیں۔ لسانی اور صوبائی عصبیتوں کی نفی کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم اس دور سے گزر آئے ہیں۔ اس وقت عالمی سطح پر بھی دیکھا جائے تو مسلمان معاشرے اتحاد کی طرف بڑھ رہے ہیں جبکہ سیکولر معاشرے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہیں۔ مسلمان معاشروں کے اتحاد کی بڑی وجہ مغربی طاقتوں کا ان کے خلاف پروپیگنڈا ہے۔ اس دباؤ نے انہیں اتحاد پر مجبور کر دیا ہے۔

جنرل حمید گل صاحب کے مطابق مسائل محض حقائق کی بنیاد پر حل نہیں ہوتے بلکہ قوم کے تصوراتی نظام فکر کو پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ ملکی معیشت کے حوالے سے کراچی کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک کے مجموعی بجٹ کا ۵۰ فیصد کراچی مہیا کر رہا ہے۔ صوبوں کی تقسیم پر تبصرہ کرتے ہوئے محترم جنرل صاحب گویا ہوئے کہ صوبوں کی تقسیم آئین توڑے جانے کی متقاضی ہے جبکہ قوم کو بہت ہی بحرانی ادوار سے گزرنے کے بعد ایک متفقہ آئین میسر آیا ہے۔ اس وقت قوم کسی آئینی بحران سے دوچار ہونے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے مزید کہا کہ آئین ٹوٹنے سے اسلام کی طرف ہونے والا دستوری ارتقاء رک جائے گا اور سیکولر قوتوں کو ایک سیکولر آئین بنانے کا موقع فراہم ہو گا۔ جنرل حمید گل نے کہا کہ الطاف حسین نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ مہاجروں کا حقیقی رہنما ہے۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ اگر چاہے تو ایم کیو ایم انتخابات میں شریک ہوتی ہے اور چاہے تو نہیں ہوتی۔

سیمینار کے اگلے مقرر چیف جسٹس آف پاکستان (ریٹائرڈ) جناب ڈاکٹر سید نسیم حسن شاہ صاحب تھے۔ انہوں نے بھی اس بات پر زور دیا کہ اس مسئلے کا حل مذاکرات ہیں۔ انہوں نے حکومتی موقف پر کہ وہ ان لوگوں سے مذاکرات نہیں کرے گی جن پر مقدمات قائم ہیں' تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکومت سرے سے مذاکرات ہی نہیں کرنا

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

سابق وفاقی وزیر اور میئر حیدر آباد مولانا وصی مظہر ندوی مہاجرین کی محرومی کی داستان سناتے اور صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے۔ سامعین ہمہ تن گوش ہیں۔

چاہتی۔ اس لئے کہ ایم کیو ایم کی پوری قیادت پر ہی مقدمات قائم ہیں۔ ایم کیو ایم پر بنائے گئے مقدمات کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے تاریخی شواہد کی روشنی میں بتایا کہ مختلف جماعتوں اور رہنماؤں پر پہلے بھی اس نوعیت کے مقدمات بنتے رہے ہیں لیکن وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ حکومتوں کو ان جماعتوں اور رہنماؤں کو محب وطن تسلیم کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ عدالت تو ایک مفروضے پر فیصلہ سناتی ہے جبکہ سیاسی مسائل کو سیاسی انداز میں حل کرنے کے لئے وسیع القلبی کی ضرورت ہوتی ہے۔ انہوں نے کراچی کے مسئلے کا فوری حل یہ پیش کیا کہ صدر آئین کی دفعہ ۲۳۴ کے تحت دو سال کے لئے صوبائی حکومت معزول کردیں اور اس دوران ایک غیر جانبدار گورنر بنایا جائے جو صدر کے نمائندے کی حیثیت سے صوبے کا انتظام چلائے۔

ہمارے اگلے مقرر بزرگ صحافی اور تحریک پاکستان کے رہنما جناب زیڈ اے سلہری تھے۔ انہوں نے لسانی اور ثقافتی بنیادوں پر نئے صوبے بنائے جانے کی تجویز کو رد کرتے ہوئے کہا کہ اس اقدام سے ملک کے قیام کی وجہ جواز ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ ملک مسلم قومیت کی بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا۔ مسلم قومیت کے فلسفہ کو تب چھوڑا جا سکتا ہے جب ملک ہی تحلیل کر دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ صوبے بنائیں لیکن لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ انتظامی نقطہ نظر سے۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش تب بنا جب بھٹو کی نیت خراب تھی جبکہ اب بے نظیر بھٹو کی نیت بھی درست نہیں ہے۔ بے نظیر بھٹو مہاجروں کے وجود کو اس لئے نہیں تسلیم کرتی کہ ان کی قوت سے اس کے اقتدار کو دھچکا لگنے کا اندیشہ ہے۔ انہوں نے حکومت کی رخصتی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ جو حکومت امن قائم نہ رکھ سکے اسے رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ کراچی کے مسئلے کا حل یہی ہے کہ فوری طور پر نئے انتخابات منعقد کرائے جائیں اور عوام کو اپنے حقیقی نمائندے چننے کا آزادانہ اختیار دیا جائے۔

سیمینار کے آخری مقرر معروف قانون دان اور سابق وزیر قانون جناب ایس ایم ظفر تھے۔ جناب ظفر صاحب نے کہا کہ کراچی کی صورت حال کو مشرقی پاکستان سے مشابہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ بنگلہ دیش کے الگ ہونے سے دو الگ الگ مملکتیں تو قائم ہو گئیں تھیں جبکہ کراچی کے الگ ہونے سے دو مملکتیں نہیں بنیں گی بلکہ ہم ایک طویل خانہ جنگی اور باہم خون ریزی کا شکار ہو جائیں گے جسے روکا نہیں جا سکے گا۔ انہوں نے فوری حل پیش کرتے ہوئے کہا کہ پہلی صورت یہ ہے کہ صدر پاکستان اپنے خصوصی اختیارات اور منصب کو بروئے کار لا کر نواز شریف اور بے نظیر کو ایک میز پر بٹھائیں۔ تاکہ وہ دونوں مل کر اس مسئلے کے لئے کوئی متفقہ لائحہ عمل

(باقی صفحہ ۵۳ پر)

چیف جسٹس (ریٹائرڈ) نسیم حسن شاہ، ایس ایم ظفر، جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل، اور بزرگ صحافی زیڈ اے سلہری مسئلے کا حل تجویز کرتے ہوئے۔